عزت کا راستہ

جب سامراجیت آرزوئے اقتدار بن جاتی ہے، جب قدیم رومی سامراج غلاموں کی منڈیاں تلاش کرتا ہے اور جب جدید یورپ وامریکہ اپنی زائد از ضرورت پیداوار کو کھپانے کے لیے نئے بازار اور نئی مارکیٹیں تلاش کرتا ہے تو اس وقت صرف مادہ حکمران ہوتا ہے اور لوگ مادیت کے غلام بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر میں روحانیت کی کوئی قیمت نہیں ہے...... مگر جب اسلام فتوحات حاصل کرتا ہے اور اس کے پیش نظر اقتصادی اور سامراجی محرکات کے بجائے یہ مقصد ہوتا ہے کہ دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلے، اور مفتوحہ ممالک اسلامی علوم سے آشنا ہوں۔ اور جب اسلام کسی ملک سے جمع کیا ہوا سرمایہ اسی ملک کے باشندوں پر خرچ کر دیا کرتا تھا اور جو بچا رہتا وہ بیت المال میں اس لیے لایا جاتا تاکہ عام مسلمانوں میں تقسیم کیا جاسکے، تو اس وقت نور الٰہی سے مستفاد پاکیزہ روحانیت کارفرما ہوتی تھی۔

اسلامی واقعیت سے اقدار عالیہ پیدا ہوتی رہیں اور اس وقت تک اپنے خوش گوار نتائج لاتی رہی ہیں جب تک مسلمان ان کی جانب توجہ دیتے رہے اور ان کی نشوونما کی فکر کرتے رہے۔ مگر اب جب کہ مسلمان اپنے دین سے منحرف ہو کر پستیوں میں پڑے ہوئے مغرب کے غلام ہو چکے ہیں تو وہ مغرب سے بھی بدتر ہو گئے ہیں اور عملی قوت میں بھی ناکارہ ہو کر دنیا اور آخرت دونوں کے زیاں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور اس طرح خدا کی ناراضی مول لے لی ہے۔

اب بھی اگر مسلمان عزت چاہتے ہیں تو ان کے سامنے ایک ہی راستہ ہے (یعنی اسلام کا راستہ) جس پر وہ عمل پیرا ہو کر عزت وعظمت، شان وشوکت اور قوت واقتدار حاصل کر سکتے ہیں۔

''عزت تو بس اللہ ہی کی ہے اور اس کے پیغمبر ﷺ کی اور ایمان والوں کی۔'' (المنافقون:8)

اسلام اور جدید مادی افکار

سید قطب شہیدؒ

الھدیٰ (316)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ الانعام

(آیت:110)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾

’’اور ہم اُن کے دلوں اور آنکھوں کو اُلٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے) اور اُن کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔‘‘

آیت نمبر 110 جو ساتویں پارے کی آخری آیت ہے بڑی اہم ہے اور ہم اُن کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے کیونکہ وہ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تھے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو جو صلاحتیں دی ہیں اگر وہ ان کو استعمال کرتا ہے تو وہ صلاحتیں نشوونما پاتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر وہ اپنی کسی صلاحیت سے فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ معطل کر دیتا ہے تو وہ صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہیں مثلاً اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں پر مسلسل چند ماہ تک پٹی باندھ لے تو اُس کی بصارت غائب ہو جائے گی۔ اگر جسم کے کسی جوڑ پر کئی ماہ تک پلاسٹر لگا رہے تو اُس جوڑ کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ غرض اللہ کی عطا کی ہوئی صلاحیت سے اگر فائدہ اٹھایا جائے گا تو صلاحیت آہستہ آہستہ زائل ہو جائے گی۔ انسان کے اندر دوسری صلاحیتوں کی طرح حق کو پہچاننے کی ایک باطنی صلاحت ہوتی ہے۔ اگر انسان نے پہلی مرتبہ حق منکشف ہو جانے پر تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو حق شناسی کی یہ باطنی صلاحت دب جاتی ہے۔ اگر پھر کہیں حق کی کوئی چنگاری سی روشن ہو جائے تو اُس کا اثر بہت کم ہوگا اور ہوتے ہوتے حق شناسی کی یہ صلاحیت بالکل ہی ختم ہو جائے گی اسی بات کو سورۃ البقرہ میں ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ انسان ضد اور تعصب کی بنا پر حق سے اعراض کرتے ہوئے اس انتہا کو پہنچ جاتا ہے جسے Point of no return کہتے ہیں۔ یہاں تک آگے نکل جانے کے بعد واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ یہ ہے مہلت ختم ہونے کا وقت کہ انسان یہاں پہنچ کر شرافت کے ساتھ retreat بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ ایسا ایک حد تک ہی ممکن ہوتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں پر جب پہلی مرتبہ حق منکشف ہو گیا تھا تو اگر فوراً مان لیتے تو خیریت تھی۔ اب جو نہیں مانا تو ہم ان کے دلوں کو الٹ دیں گے اگر سو معجزے بھی دیکھ لیں گے تو ایمان نہیں لائیں گے ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ وہ اپنی سرکشی کے اندر بڑھتے چلے جائیں گے۔

فرمان نبوی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

استغفار کی برکتیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ)) (ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص ہمیشہ استغفار (اللہ سے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا) کرتا رہے۔ اللہ ہر قسم کی تنگی سے نکلنے کی راہ اس پر کھول دے گا اور ہر غم و فکر سے اسے نجات بخشے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق عنایت فرمائے گا جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔‘‘

تشریح: ’’استغفار‘‘ کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اس گناہ کو بالکل ترک کر دے جس کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کر رہا ہے جو شخص گناہ پر اصرار کے باوجود استغفار کرتا ہے وہ اپنے رب سے مذاق کرتا ہے استغفار کو ہمیشہ اپنانے کے معنی یہ ہیں کہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر برابر نگاہ رکھے۔ پورے شعور اور عاجزی کے ساتھ ایک سو بار روزانہ اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہے، اس سے ہر قسم کی تنگی اور مصیبت سے نکلنے کی راہ پیدا ہوگی۔ ہر طرح کے غم و اندوہ سے نجات مل جائے گی (یعنی دل میں سکون اور اطمینان پیدا ہوگا)۔

حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں یکے بعد دیگرے چار آدمی حاضر ہوئے ایک نے قحط سالی کی شکایت کی دوسرے نے اپنی تنگدستی اور محتاجی کا شکوہ کیا تیسرے نے کہا حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بیٹا عطا فرمائے چوتھے نے عرض کیا میرا باغ سوکھ گیا ہے۔

آپؒ نے ہر ایک سے کہا کہ ’’اللہ سے استغفار کرو۔‘‘

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — شمارہ 14
3 تا 9 اپریل 2008ء
25 ربیع الاول تا 2 ربیع الثانی 1429ھ

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور۔ 54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mall:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور۔ 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان

انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشتری ہوشیار باش

خالصتاً جمہوری نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ جتنا اچھا آغاز موجودہ حکومت نے کیا ہے اور اِس کے لئے کیا گیا ہے ماضی میں اِس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بحیثیت مجموعی انتخابات کو منصفانہ قرار دیا گیا اور دھاندلی دھاندلی کا شور و غوغا سننے کو نہ ملا۔ پھر یہ کہ ملک کی دو بڑی جماعتوں نے ایک دوسرے کے مینڈیٹ کو قبول کیا، جبکہ ماضی میں وڈا اور رزاپ جماعتیں ہمیشہ بدترین دشمن بن کر سامنے آتی تھیں۔ یہ دشمنی شخصی اور ذاتی دشمنی میں بدل جاتی تھی۔ بڑی اپوزیشن جماعت جلد لانگ مارچ پر اتر آتی تھی یا ایوانِ صدر کے ساتھ ساز باز کر کے حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش کرتی۔ یہاں تک کہ جی ایچ کیو جا کر رونا دھونا شروع ہو جاتا۔ اِس مرتبہ سیاسی جماعتیں باہمی تعلقات کو بڑھا رہی ہیں اور ایوان صدر سے قطع تعلق ہے اور جی ایچ کیو سے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ یوسف رضا گیلانی بھاری اکثریت سے وزیراعظم منتخب ہوئے۔ وہ بڑی آسانی سے اِسی اکثریت سے اعتماد کا ووٹ لے سکتے تھے لیکن اُنہوں نے اپوزیشن خصوصاً پاکستان مسلم لیگ (ق) سے تعاون کی اپیل کی، جس کا جذبہ خیر سگالی سے جواب دیا گیا اور وزیراعظم کو کل ایوان نے متفقہ طور پر اعتماد کا ووٹ دیا، جو پاکستان کی پارلیمانی تاریخ کا منفرد واقعہ ہے۔ وگرنہ ماضی میں ایسے موقع پر پہلے ہنگامہ آرائی اور گالی گلوچ ہوتی تھی، پھر اپوزیشن نعرے لگاتے ہوئے بائیکاٹ کر جاتی تھی۔ ایم کیو ایم کی طرف سے حکومت کو غیر مشروط تعاون کی پیشکش کو بعض تجزیہ نگاروں نے ایوان صدر کی طرف سے سیاسی چال قرار دیا تھا، لیکن اُس کے نتائج بھی منفی کی بجائے مثبت ہی برآمد ہوئے۔ اعلانِ مری کی وجہ سے وہ تمام افواہیں دم توڑ گئیں جو عدلیہ کی بحالی کے حوالہ سے دونوں بڑی جماعتوں میں اختلاف کے بارے میں پھیلائی جا رہی تھی۔ وزراء کے انتخاب اور اُن میں محکمہ جات کی تقسیم کے مسئلہ کو بھی بڑی خوش اسلوبی سے حل کر لیا گیا۔ ہم سیاست دانوں کے اِس دانشمندانہ اور مدبرانہ رویے کی تحسین کرتے ہیں اور اُنہیں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ البتہ اُن کی خدمت میں یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ مبارک سلامت کی اِس فضا سے جلد باہر آ جائیں، اِس لئے کہ داخلی سطح پر گھمبیر مسائل ہیں اور خارجی سطح پر شدید خطرات ہیں۔ یعنی وقت کم اور مقابلہ سخت بلکہ انتہائی سخت ہے۔

بیماری، غربت، مہنگائی اور بے روزگاری کا اژدھا اُن عوام کو نگل رہا ہے جو موقع ملنے پر ووٹ کی قوت سے قابض حکومت کا دھڑن تختہ کر دیتے ہیں۔ لہٰذا عوام کو محروم رکھنا عوامی حکومت کو قطعی طور پر وارہ نہیں کھاتا۔ موجودہ حکومت کو اصل چیلنج اُس خطرہ سے ہے جو دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں پاکستان کی سلامتی کو لاحق ہے۔ دشمن ہمارے ملک کو اِس جنگ میں ملوث رکھنے کے لئے 100 ملین ڈالر ماہانہ ادا کر رہا ہے۔ اِسی جنگ کو جیتنے کی خواہش رکھتے ہوئے امریکی وزارتِ خارجہ کے افسران نے نئی حکومت پر پہلے دن سے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے کہ وہ مشرف حکومت کی پالیسی جاری رکھے۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ ہم ڈالروں کے عوض اپنے مسلمان بھائیوں کا خون بہا رہے تھے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ امریکہ اور یورپ میں خون بہے لیکن اُن کے امن کی خاطر ہمیں اپنے قبائلی علاقوں کو قتل گاہیں نہیں بنانا چاہیے۔ ہمارے کرتوت تو ایسے بھی تھے کہ مسلمان بھائیوں کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرتے تھے اور اُن سے ڈالر وصول کرتے تھے۔ تف ہے ایسی حکومت پر اور حیف ہے ایسے مسلمان پر۔ امریکہ یقیناً نئی حکومت کو بھی ڈالروں کی چمک دکھائے گا۔ دھونس اور دھمکی سے بھی کام لے گا۔ اگر نئی حکومت کسی لالچ سے ترغیب حاصل کر کے یا کسی دھمکی سے خوفزدہ ہو کر مشرف پالیسی کو اپنائے گی تو اس کا حشر مشرف اور "ق" لیگ سے بھی بدتر ہوگا۔ اُسے جرأت ایمانی سے کام لے کر امریکی چالبازیوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ عوام نے ثابت کیا کہ وہ سب کچھ برداشت کریں گے، امریکی غلامی قبول نہیں کریں گے۔ ہم نئی حکومت (باقی صفحہ 19 پر)

دین و سیاست

(بالِ جبریل)

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی | سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں | کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا | چلی کچھ نہ پیرِ کلیسا کی پیری
ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی | ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری!
دوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی | دوئی چشمِ تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا | بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری!

1۔ علامہ اقبال نے اِس نظم میں یہ وضاحت کی ہے کہ اسلام نے سیاست اور دین کو مربوط کیا ہے، جبکہ عیسائیت مذہب اور سیاست کی دُوئی کی قائل ہے۔ عیسائیت نے مذہب کو سیاست سے الگ کر دیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کلیسا نے اپنے عقائد کی بنیاد رہبانیت یعنی ترکِ دنیا پر رکھی ہے۔

"کلیسا" یونانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں مجلسِ عوام۔ مسیحی ادبیات میں اس سے مُراد ہے، عبادت گاہ، مذہبی تنظیم یا عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کرنے والا ادارہ۔ نیز پادریوں کی وہ جماعت جو اِس ادارے کا نظم و نسق چلائے۔

2۔ بادشاہت اور رہبانیت کے مابین ازل سے شدید اختلافات چلے آ رہے ہیں، اس لیے کہ حکومت کا تصور تو سربلندی کا حامل ہے، جبکہ ترکِ دنیا کا معاملہ انسان کو پستی کی طرف دیکھنے والا اور غیر فطری ہے۔

3۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب سیاست بے خدا ہو گئی تو دونوں کے مابین جو رابطہ تھا، ختم ہو گیا۔ اس سے پادریوں کی اجارہ داری بھی ایک طرح سے ختم ہو کر رہ گئی۔ "پیرِ کلیسا" سے پوپ یا پاپائے روم مُراد ہے جو رومن کیتھولک فرقے کے عیسائیوں کا مذہبی پیشوا اور اُن کے عقیدے کے مطابق حضرت یسوع مسیحؑ کا سچا جانشین ہے جو دوسروں کے گناہ معاف کر سکتا ہے اور خود گناہ سے محفوظ ہے۔ اسلام میں اِس طرح کا کوئی تصور نہیں۔

4۔ جب دین و سیاست کا باہمی رشتہ ٹوٹ گیا تو سربراہ مملکت اور اُن کے وزیر مُشیر بے شک برسرِ اقتدار تو رہے، تاہم محض حرص و ہوس کے بندے بن کر رہ گئے، اس لیے کہ اخلاقی اقدار کا تصور ہی ختم ہو گیا تو بات آگے کیسے چلتی۔

5۔ دین اور سیاست کے ایک دوسرے سے علیحدگی کے باعث اُن پر ناآسودگی نے ڈیرہ ڈال لیا اور اِس دورُخی اور متضاد رویے کے سبب تہذیب و تمدن بے بصر ہو کر رہ گئے اور دونوں میں نیکی اور بدی کا تصور بے معنی ہو کر رہ گیا۔ پھر یہ کہ اس سے سارا نظامِ معاشرت درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ اس شعر میں لفظ "دوئی" اقبال نے اس کے فلسفیانہ مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ اس سے "ثنویت مانی" مراد ہے۔ مانی تیسری صدی عیسوی کا ایک ایرانی فلسفی تھا۔ اُس نے مسیحیت اور بعض قدیم مذاہب کے امتزاج سے ایک نیا مذہب جاری کیا جس کی بنیادی تعلیم یہ تھی کہ کائنات میں متضاد قوتیں کارفرما ہیں: خیر و شر یا نُور و ظلمت۔ چونکہ مانی نے بھی عیسائیت کی طرح ترکِ دنیا، زہد اور تجرد کی تعلیم دی تھی، اس لیے ایران، عراق، شام، فلسطین اور ایشیائے کوچک کے بہت سے عیسائی اس کے پیرو ہو گئے اور اُن کی وساطت سے دُوئی کا عقیدہ کلیسا کے بنیادی عقائد میں داخل ہو گیا۔

6۔ اس انتشار کا ردِعمل یہ تھا کہ پیغمبرِ انقلاب حضور سرورِ کائنات ﷺ نے مبعوث ہونے کے ساتھ جہاں دعوتِ اسلام دی اور وہاں معاشرے میں بھی انقلابی تبدیلیاں لانے کے لیے دین دینی احکام ہی کو حکمرانی کا منشور قرار دیا۔ اس کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ حاکمِ وقت پر بھی لازم ہے کہ وہ فرمانِ الٰہی کی ہر قیمت پر تعمیل کرے اور دوسروں کو بھی ان کی مکمل اطاعت پر آمادہ کرے۔ اس کا منطقی نتیجہ اِس صورت میں نمودار ہُوا کہ حاکم اور عام لوگ فطری طور پر ایک احتسابی عمل کے زیرِ اہتمام زندگی بسر کرنے لگے اور یُوں خود بخود بُرائی سے دُور ہوتے چلے گئے۔

7۔ حضور ﷺ نے احکامِ الٰہی کی روشنی میں یہ بات واضح کر دی کہ دین اور سیاست کو یکجا کیے بغیر انسانی معاشرے اور انسانیت کا تحفظ ممکن نہیں۔ کسی بھی معاشرے بالخصوص اسلامی معاشرے میں یہ امر ناگزیر ہے کہ اسلام انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں پر غالب ہو۔ اسی صورت میں اسلامی انقلاب کی تکمیل ممکن ہے۔

"جنیدی" حضرت جنید بغدادیؒ سے منسوب ہے۔ یہاں اس سے صوفیاء یا علمائے دین مُراد ہیں۔

"اردشیری" اردشیر سے منسوب ہے جو ایران کا بادشاہ تھا یعنی بادشاہت یا سیاست۔

تکمیلِ رسالت کے مظاہر

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے 21 مارچ 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

حضرات! آج 12 ربیع الاول 1429ھ ہے۔ سن ہجری کے حساب سے آج سے ٹھیک 1481 برس قبل گلشن ہستی میں ایک پھول کھلا تھا، یہ وہ پھول ہے کہ حیات دنیوی کے دوران ہی اس کی خوشبو سے پورا جزیرہ نمائے عرب معطر ہو گیا تھا، اور اس کے بعد 24 برس کے اندر اندر چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں پورا مغربی و وسطی ایشیا اور پورا شمالی افریقہ مشکبار ہو گیا تھا۔ آج ہم تاریخ کی جس دہلیز پر کھڑے ہیں، اس میں اس خوشبو کو ابھی مکمل ہونا ہے اور یہ خوشبو پورے گلوب کو اپنے لپیٹ میں لے کر رہے گی، ان شاء اللہ۔

اس حوالے سے آج کا میرا موضوع بہت اہم ہے۔ عنوان ہے: "تکمیل رسالت ﷺ کے مظاہر"۔ اس موضوع پر میں نے پہلے بھی کئی بار گفتگو کی ہے۔ آج میں چاہتا ہوں کہ اِس ضمن میں ایک، دو، تین، چار کے انداز میں آپ کو کچھ باتیں بتاؤں، تاکہ آپ انہیں ذہن نشین کر لیں۔ ختم نبوت ہمارے عقائد کا لازمی جزو ہے یعنی نبی اکرم ﷺ اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں۔ ختم نبوت کے دو مفہوم ہیں، جن میں سے ایک بہت عام ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق شریعت اور قانون سے ہے۔ ختم نبوت کا وہ مفہوم یہ ہے کہ آپ آخری نبی، آخری رسول ہیں، آپؐ کے بعد کوئی نبی، کوئی رسول نہیں۔ آپؐ کے بعد جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا، دجال، کذاب، کافر، مرتد ہے اور جس نے اس کی تصدیق کی وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس پہلو پر علماء نے پوری توجہ کی ہے۔ اور بھرپور دلائل دیے ہیں۔ ختم نبوت کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ پر نبوت و رسالت کی تکمیل ہوئی ہے۔ اس مضمون کے بیان کے لیے قرآن مجید جو کی آیت ہے وہ تین مرتبہ آئی ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (سورۃ التوبہ: 33، سورۃ الفتح: 28، سورۃ الصف: 9) یہ آیت تکمیل نبوت و رسالت کی مظہر ہے۔ اس آیت کے حوالے سے محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام سمجھ میں آتا ہے۔ دراصل نبوت و رسالت جو مسلسل چلی آ رہی تھی، آپؐ پر ختم ہو گئی، جبکہ حضور ﷺ کا وہ مقام جو انبیاء کرام کی مقدس جماعت میں متعین ہوتا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ آپ پر نبوت و رسالت کی تکمیل ہوئی ہے۔

ختم نبوت کے پہلے مفہوم کے حوالے سے دو احادیث ملاحظہ کیجئے، ایک جامع ترمذی کی روایت ہے۔ جسے حضرت ثوبانؓ نے بیان کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"یقیناً میری اُمت میں تیس افراد ایسے اٹھیں گے جو کذاب (یعنی جھوٹے) ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا یہ زعم ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

دوسری حدیث سنن ابی داؤد سے ہے۔ اور اس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تیس ایسے دجال نہ نکل آئیں جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

پہلی حدیث میں "کذابون" کہا گیا ہے۔ دوسرے میں "دجالون" کہا گیا ہے۔ دجل کا مطلب ہے کہ کسی شے کی حقیقت پر پردہ ڈال دینا۔ اگر کسی نے پیتل کی چیز پر سونے کا پانی پھیر دیا، تو یہ دجل ہے۔ ایک دجل یہ ہے کہ آدمی کسی ایسی بات کا دعویٰ کرے جو وہ فی الواقع نہ ہو۔ بہرحال حضور ﷺ نے فرمایا: جب تک تیس دجال نہیں نکل جائیں گے، قیامت قائم نہیں ہوگی۔ ان تیس میں سے چند تو حضور ﷺ کے دور میں ہی یا آپؐ کے وصال کے فوراً بعد آ گئے تھے، جن میں بہت بڑا فتنہ مسیلمہ کذاب تھا۔ وہ یمامہ کا بڑا سردار تھا، جو طاقتور قبیلہ تھا۔ اس کے خلاف جہاد میں سینکڑوں صحابہؓ اور حفاظ شہید ہوئے۔ مسیلمہ کذاب کو بڑی طاقت حاصل ہو گئی تھی۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے اسے شکست دی اور وہ قتل ہوا۔ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ایسے لوگ اٹھتے رہے ہیں۔ ہمارے قریب کے زمانے میں ایک بہاء اللہ ایرانی کھڑا ہوا تھا۔ آج بھی اس کے ماننے والے دنیا میں ہیں، کیونکہ مغربی دنیا ان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ دراصل جن لوگوں نے بھی ختم نبوت کی مہر کو توڑا ہے، وہ ان دشمنان اسلام کے محبوب بن گئے۔ چنانچہ دور حاضر کا نبوت کا دوسرا دعوے دار غلام احمد قادیانی تھا، آج اِس کے پیروکاروں (قادیانیوں) کو بھی امریکہ، کینیڈا، انگلینڈ میں بڑی پشت پناہی حاصل ہے۔

اب وہ حدیث بھی ملاحظہ کیجئے جو ختم نبوت و رسالت کے دوسرے مفہوم یعنی اتمام نبوت و رسالت کے اعتبار سے ہے۔ یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور متفق علیہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"یقیناً میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک عالیشان عمارت تعمیر کی، اس نے اس عمارت کو بہت عمدہ اور خوبصورت بنایا، سوائے اس کے کہ اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ پھر لوگ آ کر اس عمارت کے چکر لگانے لگے اور (اس کی خوبصورتی اور عظمتِ شان پر) تعجب کا اظہار کرنے لگے۔ اور لوگ کہتے: بھلا یہ اینٹ کیوں نہ لگائی گئی؟ آپؐ نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔"

ایک اور روایت ہے "میں وہ اینٹ یا وہ پتھر ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

ان احادیث کے بعد اب آیئے، اس آیت کی طرف، ﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ قرآن میں یہ آیت تین مقامات پر آئی ہے۔ دو جگہوں پر اس کا اختتام ان الفاظ کے ساتھ ہے ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ اور ایک جگہ

ہے: ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾۔ اِس آیت کا وہ حصہ جو تینوں مقامات پر بالکل یکساں ہے، اور اِس میں شوشے کا بھی فرق نہیں وہ ہے، ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾

دوسری یہ بات نوٹ کیجیے کہ یہ الفاظ قرآن میں کسی اور رسول کے لیے نہیں آئے۔ انبیا و رسل کے لیے بعض الفاظ مشترک ہیں۔ مثلاً سارے انبیاء بشیر تھے، حضور بھی بشارت دینے والے ہیں۔ سارے خبردار کرنے والے تھے، حضور ﷺ بھی خبردار کرنے والے ہیں۔ اِسی طرح مبلغ، معلم، ناصح اور شاہد کے الفاظ بھی انبیاء کے درمیان مشترک ہیں۔ لیکن قرآن مجید میں حضور ﷺ کے لیے جو الفاظ تین مرتبہ آئے ہیں، کسی اور رسول یا نبی کے لیے نہیں آئے۔ معلوم ہوا کہ یہی آیت ہے جو حضور ﷺ کی امتیازی حیثیت کو واضح کرتی ہے۔ اس پر بھرپور توجہ کی جانی چاہیے۔

اس آیت کا ترجمہ ہے: ”وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو، الھدیٰ (ہدایت) اور دین حق کے ساتھ تاکہ اُس (دینِ حق) کو غالب کر دے پورے نظام زندگی پر، (تمام ادیان پر، تمام نظاموں پر)“۔ یہ آیت درحقیقت نبوت اور رسالت دونوں کے اعتبار سے، حضور ﷺ پر تکمیل اور اتمام کی مظہر ہے۔ حضور ﷺ کو جو دو چیزیں دے کر بھیجا گیا ہے، ان میں تکمیل کا پہلو کیا ہے۔

پہلی چیز ہے الھدیٰ (The guidance) یعنی قرآن مجید۔ ہدایت تو وحی کی شکل میں آدمؑ سے چلی آ رہی ہے۔ حضور ﷺ تک آتی رہی ہے۔ لیکن اصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اس ہدایت میں ارتقائی عمل جاری رہا ہے۔ یہ ارتقاء کے مرحلوں سے گزرتی ہوئی تکمیل کو پہنچی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ دیکھیے، ایک دور وہ تھا جب انسان ذہنی اعتبار سے، شعور کے اعتبار سے عہد طفولیت میں تھا۔ ابھی نہ کوئی تمدن تھا نہ کوئی تہذیب، نہ کوئی فلسفہ، نہ کوئی سائنس، نہ کوئی علوم اور نہ کوئی یونیورسٹیاں تھیں۔ اس وقت انسانی شعور کی جو سطح تھی، اِسی کے مطابق ہی ہدایت دی جا سکتی تھی، کامل ہدایت نہیں دی جا سکتی تھی۔ جس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ آپ کا بچہ پرائمری کا طالب علم ہے۔ آپ اس کے لئے پی ایچ ڈی استاد رکھ دیجیے۔ تو وہ اسے کیا پڑھائے گا۔ ظاہر ہے وہی کچھ پڑھائے گا جو بچہ پڑھنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ ہدایت ہر دور کی ذہنی اور شعوری سطح کے مطابق ترقی کرتے کرتے ایک خاص مقام تک پہنچی ہے۔ جب انسانی شعور، انسانی ذہن اور انسان کی صلاحیت فکری اعتبار سے اس جگہ پر پہنچ گئی، جسے ہم کہیں گے کہ وہ mature ہو گیا تو اب اسے کامل ہدایت دے دی گئی جس کی روشنی میں اگلا راستہ وہ خود دیکھ سکتا ہے۔ اسی کا نام اجتہاد ہے۔ البتہ یہاں ایک بات نوٹ کر لیجیے، یہ بات میں نے اس سے پہلے بھی نہیں کہی، وہ یہ کہ ہدایت کے دو حصے ہیں۔ ایک ہدایت اُصولی ہے یعنی ایمانیات جو ماورائی حقیقتوں کی ہدایت ہے۔ یہ کائنات کیا ہے؟ آخرت کیا ہے؟ جنت اور دوزخ کیا ہے؟ موت کے بعد کیا ہوتا ہے؟ فرشتوں کا معاملہ کیا ہے؟ یہ ساری چیزیں ماورائی ہیں۔ یہ میٹا فزیکل ہدایت اول روز سے کامل ہے۔ تمام انبیاء نے ایک ہی تعلیم دی ہے، کیونکہ ایمان تو وہی ہے۔ دوسری ہدایت عملی ہے۔ عمل کا معاملہ کہ کیا کرو کیا نہ کرو، کیا مسائل ہیں، یہ معاملہ مختلف ادوار میں مختلف رہا ہے۔ ظاہر ہے انسان کی زندگی جب ابتدائی دور میں تھی تو اس کو اسی کے حوالے سے ہدایت کی ضرورت تھی۔ اور ترقی کرتے ہوئے جب تدریجاً ارتقاء پذیر ہو کر آج سے چودہ سو برس قبل انسان شعور کی پختہ سطح کو پہنچ گیا تو اب اُسے آخری اور کامل ہدایت نامہ دے دیا گیا۔

دوسری چیز دین حق ہے یعنی مکمل نظام جو مبنی برحق ہے۔ سب سے بڑا حق کیا ہے؟ یہ کہ کائنات اللہ کی ہے، اِس پر اسی کا حکم چلنا چاہیے۔ دین حق سے مراد پورا نظام زندگی ہے جو اللہ کی حاکمیت کے اصول پر مبنی ہے۔ دین کا تقاضا ہے کہ پوری زندگی کے تمام اصول اور تمام انفرادی اور اجتماعی پہلو اللہ کی بندگی اور عبادت کے اندر آ جائیں۔ یہ دین حق ہے۔ یہی نظام عدل ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان اپنے لیے خود کامل نظام وضع نہیں کر سکتا۔ جب بھی انسان کچھ سوچے گا، اپنی ذات کو علیحدہ کر کے سوچ ہی نہیں سکتا۔ کچھ نہ کچھ Subjectivity شامل ہو جائے گی۔ سرمایہ دار سوچے گا تو اپنے فائدے کی سوچے گا، مزدور کی بات وہ سوچ ہی نہیں سکتا۔ مزدور کے گھر میں جو فاقہ آ رہا ہے، اسے اس کا کیا احساس۔ مزدور سوچے گا تو اپنے فائدے کی سوچے گا۔ وہ سرمایہ دار کے مفاد کو نہیں دیکھ سکتا کہ اس کی مصلحتیں کیا ہیں۔ اِسی طرح عورت سوچے گی تو اپنے اعتبار سے سوچے گی، مرد کے احساسات کا اسے کامل ادراک نہیں ہو سکتا۔ مرد سوچے گا تو اپنے اعتبار سے سوچے گا، وہ عورت کے حقوق کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ کامل نظام صرف اللہ دے سکتا ہے جو سب کا خالق ہے۔ سرمایہ دار کا خالق بھی وہی ہے، مزدور کا خالق بھی وہی ہے، عورت کا خالق بھی وہی ہے اور وہ سب کی نفسیات جذبات، احساسات کو وہی جانتا ہے۔ اس نے سب کی ضرورتوں کے پیش نظر ایک عادلانہ نظام دیا ہے جو اجتماعیت کے تینوں گوشوں یعنی سیاست، معیشت اور معاشرت کے اعتبارات سے کامل ترین نظام ہے۔ یہ دین حق بھی کامل ہوا ہے حضور ﷺ پر۔ اس کے بھی تدریجی ارتقائی مراحل ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے آباء و اجداد غاروں میں رہتے تھے۔ اجتماعی زندگی یا تمدن کا سوال ہی نہ تھا۔ پھر ایک قبائلی دور آیا اور قبائلی نظام وجود میں آیا۔ چنانچہ اب قبیلے کا ایک سردار ہے، جس کا حکم قبیلے والوں کو ماننا پڑے گا۔ اس قبیلے کی جو ریت اور رسم ہے اہل قبیلہ کو اس کے مطابق چلنا پڑے گا۔ نظام جب آتا ہے تو پابندیاں بھی آتی ہیں۔ اس سے آگے بڑھیں، سٹی سٹیٹس قائم ہوئیں۔ کچھ قبیلے آ کر ایک جگہ رہنے لگے۔ اب وہ اپنی جگہ ایک یونٹ بن گئے۔ پہلے ہر قبیلہ کا ایک سردار تھا۔ وہ قبیلہ ایک یونٹ تھا لیکن اب جب قبیلے مل جل کر رہنے لگے تو سوال پیدا ہوا کہ ساتھ مل جل کر رہیں گے تو اصول کیا ہوں گے۔ قبیلوں کے مابین کوئی معاہدہ ہو گا تبھی تو وہ ایک شہر میں رہ سکتے ہیں۔ یہاں سے دستور کا آغاز ہوا۔ اس سے آگے چل کر ایمپائرز وجود میں آئیں۔ کسان محنت کرتا ہے اور اس کی فصل کا بڑا حصہ جاگیردار لے جاتا ہے۔ اس میں سے کچھ وہ اپنے پاس رکھتا ہے اور کچھ بادشاہ کو دیتا ہے۔ بادشاہ ان کی بنیاد پر فوجیں کھڑی کرتا ہے۔ امپیریلزم انسان کے لیے بدترین ظلم لے کر آیا۔ کسان کی محنت پر بادشاہ اور جاگیردار عیش کرتے تھے۔ اسی طرح دوسرے محنت کشوں سے ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ٹیکس نہیں دیں تو گردن اڑا دی جائے گی۔ یہ دور تھا جس میں ایک طرف انسانی تمدن اس مقام تک پہنچ گیا تھا، اور دوسری طرف ظلم انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ اس دور میں دین حق کامل شکل میں دیا گیا۔ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ”المائدہ:3) ”آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔“ اتمام اور تکمیل کے الفاظ حضور ﷺ کے لیے قرآن میں بار بار آتے ہیں۔ بہرحال دونوں چیزیں جو حضور ﷺ دے کر بھیجے گئے تکمیلی اعتبار سے بلند ترین مقام پر ہیں۔ الھدیٰ مکمل ہو گئی، ہدایت اس کے اندر کامل ہو گئی، دین حق میں نظام زندگی The Politico-Socio-Economic System بھی دین حق کی شکل میں مکمل ہو گیا۔

یہ حصہ تو وہ ہے جو اللہ کی طرف سے آپؐ کو عطا ہوا۔ اس کے بعد آپؐ نے کیا کیا؟ اس حصے کا پہلا مرحلہ یعنی تبلیغ، دعوت، اشاعت، باقی نبیوں کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔ دوسرا مرحلہ جو حضور ﷺ کے لیے خاص ہے وہ یہ کہ اس دین حق کو بالفعل قائم کرو، غالب کرو۔ یہ کٹھن ترین کام ہے۔ آپ تبلیغ کیے جائیں۔ ہو سکتا ہے کوئی آپ کو کنکر مار دے، کوئی آپ کا مذاق اڑا دے، اور کیا کرے گا، لیکن آپ ایک نظام کو چیلنج کریں تو نتائج مختلف ہوں گے۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہوتی جہاں اجتماعی نظام نہ ہو۔ یا تو ملوکیت ہو گی یا پھر جمہوریت۔ سرمایہ داری ہو گی یا کمیونزم۔ کوئی نہ کوئی نظام ضرور ہو گا۔ ایک نظام آپ کے پاس ہے جسے آپ نافذ کرنا چاہتے ہیں، تو آپ کو پہلے سے موجود نظام کو جڑ سے اکھیڑنا پڑے گا، تب وہ دوسرا نظام آئے گا۔

جیسے دو تلواریں ایک نیام میں نہیں آسکتیں، اسی طرح ایک جگہ دو نظام نہیں ہو سکتے۔ ایک جگہ پر سو مذہب ہو سکتے ہیں۔ آپ امریکہ میں جا کر دیکھ لیجیے، سو مذہب مل جائیں گے، مسجدیں بھی بن رہی ہیں۔ مندر، گردوارے وغیرہ سب بن رہے ہیں۔ وہاں پروٹسٹنٹ کے سینکڑوں چرچ ہیں۔ ہر چرچ اپنی جگہ پر ایک فرقہ ہے۔ کیونکہ جب پوپ سے بغاوت کی تو مرکزی نظام ختم ہو گیا۔ بہر حال کسی جگہ مذاہب سو بھی ہو سکتے ہیں لیکن نظام ایک ہی ہوگا، دو نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا یہ ہے واحد مشن جو آپ کو دیا گیا ہے۔ جس کو کہا جائے گا کہ یہ انقلابی مشن تھا کہ استحصالی نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ آپ اللہ کا نظام حق نافذ کریں۔

سیرت مطہرہ ہمارے سامنے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو دین حق کو غالب کرنے کے لیے کیا کچھ قربانیاں دینی پڑی ہیں۔ کیسی کیسی محنت کرنی پڑی ہے۔ آپؐ کے جاں نثاروں پر کیسی کیسی سختیاں آئی ہیں۔ حضرت خبابؓ دہکتے انگاروں پر لٹائے گئے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ برہنہ کر کے گھر سے نکالے گئے۔ حضرت بلالؓ کی گردن میں رسی ڈال کر انہیں گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ بہر حال رسالت کے ضمن میں تکمیلی مقام یہ ہے کہ آپؐ نے صرف انفرادی طور پر نصیحت اور وعظ اور صرف انفرادی طور پر لوگوں کا تزکیہ ہی نہیں کیا بلکہ آپؐ نے پورا نظام زندگی عملاً بدل کر دکھا دیا اور دنیا کو ایک نیا نظام، تمدن، تہذیب اور تعزیراتی قانون دیا۔

دوسری بات تکمیل رسالت کے ضمن میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ سارا کارنامہ انسانی سطح پر جدوجہد کے ذریعے سرانجام دیا ہے۔ آپؐ نے 23 برس کے اندر عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ ایسا نہیں ہوا کہ ایک دعا مانگی اور سو آدمی آگئے۔ دوسری دعا مانگی اور ہزار آدمی آگئے۔ دس برس تک دن رات کی محنت و مشقت کے نتیجے میں بمشکل سو آدمی آئے ہیں۔

تکمیل رسالت کے ضمن میں تیسری بات یہ ہے کہ آپ کو پوری نوع انسانی کے لیے بھیجا گیا۔ قرآن میں جہاں حضور ﷺ کی دعوت آتی ہے وہاں خطاب ساری انسانیت سے ہوتا ہے۔ یا ایھا الناس یعنی اے لوگو! اے بنی نوع آدم کے الفاظ آتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم میں پانچ بار یہ مضمون آیا ہے۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سورۃ سبا:28) "(اے نبی) ہم نے تمہیں بھیجا آپ کو مگر تمام بنی نوع انسان کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر" دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورۃ الانبیاء:107) "ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔" سورۃ الاعراف میں فرمایا: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ "اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔" یعنی صرف عرب کی طرف نہیں ہوں۔ یہ تکمیل نبوت و رسالت کا آخری نکتہ ہے۔ لیکن اس کا تعلق مجھ سے اور آپ سے ہے۔ یہ دین کامل اور یہ ہدایت کامل ہے۔ اگر حضور ﷺ عرب کے لیے بھیجے گئے ہوتے تو عرب میں تو آپؐ نے دین غالب کر دیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ صحابہ کرامؓ عرب سے نکلے ہیں۔ تا کہ عرب دنیا سے باہر بھی دین کو غالب کریں۔ ان کے بعد یہ ذمہ داری ہماری ہے، یعنی جب تک پوری نوع انسانی کے اوپر یہ دین حق غالب نہیں ہوتا، حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد شرمندۂ تکمیل نہیں ہوگا۔ یہ لمحۂ فکریہ میرے اور آپ کے لیے ہوگا۔

یہ کام اسی طریقے پر ہوگا جس پر کہ حضور ﷺ نے کیا۔ اِدھر اُدھر سے مستعار طریقے مانگ کر نہیں ہوگا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ الیکشن ہوتے ہیں، ہم الیکشن میں حصہ لیتے ہیں۔ کامیاب ہو کر اسلام نافذ کریں گے۔ بعض کا خیال ہے کہ دعوت و تبلیغ کرتے رہو، جب سب ٹھیک ہو جائیں گے، نظام ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ انہونی باتیں ہیں۔ دین حق غالب ہوگا تو اسی طریقے سے جو محمد عربی ﷺ نے اختیار فرمایا تھا۔ بہر حال دین کل روئے ارضی پر غالب ہوگا۔ اس کی خبریں خود الصادق و المصدوق ﷺ نے دی ہیں۔

حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

> "اللہ نے میرے لیے پوری زمین کو لپیٹ دیا، تو میں نے زمین کے سارے مشرق دیکھ لیے، سارے مغرب دیکھ لیے اور سن رکھو، میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو زمین کو لپیٹ کر مجھے دکھا دیئے گئے۔" (صحیح مسلم)

اسی طرح مقداد ابن اسودؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:

> "اس روئے ارضی پر نہ اینٹ گارے کا بنا ہوا کوئی گھر بچے گا، نہ کوئی خیمہ رہے گا جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے۔" (مسند احمد)

یہ پیشین گوئیاں محمد رسول اللہ ﷺ کی ہیں، وھو الصادق المصدوق۔ اس لیے ہمارا یقین ہے کہ یہ دین ضرور غالب ہونا ہے۔ اور آج اس کی شہادت دنیا دے رہی ہے۔ دنیا اسلامی نظام سے ڈر رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں اسلامی بنیاد پرستی (Islamic Fundamentalism) سے ہمیں خطرہ ہے، ہماری تہذیب اور ہمارے نظام کو خطرہ ہے۔ میں حیران ہوتا ہوں۔ ہمیں تو مسلمانوں کے اندر کوئی جوش و خروش، کوئی جدوجہد، کوئی محنت، کوئی جماعت، کوئی تحریک نظر نہیں آرہی، لیکن انہیں نظر آرہی ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں اس امت کی خاکستر میں اب تک شرار آرزو موجود ہے۔ امت کے اندر ایک اُمنگ ہے، ایک تڑپ ہے، یہ مرنے کو بہت آسان سمجھتے ہیں۔ ہمیں جتنی محبت زندگی سے ہے، اس سے زیادہ محبت انہیں موت سے ہے۔ جب یو ایس ایس آر ختم ہو رہا تھا تو انہوں نے نیٹو کو از سر نو آرگنائز کیا۔ کسی نے نیٹو چیف سے پوچھا کہ یو ایس ایس آر تو ختم ہو گیا، اب آپ کو کس کا خطرہ ہے۔ اس نے جواب دیا اب ہمیں اسلامک فنڈا منٹلزم کا خطرہ ہے۔ یہ بات ابلیس بہت پہلے سے جانتا ہے۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ میں اقبال نے اس کی بات نقل کی ہے۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو

اس امت میں ایک جذبہ ہے جو ابھی سویا ہوا ہے جیسے انگارے کے اوپر راکھ آجائے لیکن اس کا مطلب نہیں ہوتا کہ اندر آگ نہیں ہے۔ اگرچہ آگ نظر نہیں آرہی، راکھ ہے، لیکن اس راکھ کے نیچے دبی ہوئی چنگاریاں موجود ہیں۔ اگرچہ اس وقت بدقسمتی یہ ہے کہ امت غلط راستوں پر بھٹک رہی ہے۔ بعض جماعتوں کے نزدیک صرف تبلیغ یا صرف الیکشن کے راستے سے دین غالب کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے صرف اسی طریقہ انقلاب کو اختیار کرنے سے دین قائم ہوگا جو نبی اکرم ﷺ نے اختیار فرمایا۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ آپؐ نے انقلاب کیسے برپا کیا۔ یہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ یہ ہمارے کندھوں پر حضور ﷺ کا قرض ہے۔ تمہیں ڈر ہے جانیں چلی جائیں گی، کیا ڈھائی سو سے زیادہ صحابہؓ نے جانیں نہیں دی تھیں؟ نبی اکرم ﷺ کے اس قول کے بعد ہمارے پاس کیا جواب ہوگا۔ "میری بڑی خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں گا۔ پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں"۔ کیا نبی اکرم ﷺ نے غلبہ دین حق کی راہ میں تکلیفیں نہیں اٹھائیں؟ آپؐ نے پیٹ پر پتھر کیوں باندھے؟ آپؐ کے جسم اطہر پر پتھراؤ کیوں ہوا تھا؟ پورے تین سال آپؐ اور آپؐ کا خاندان بنی ہاشم قید میں رہے تھے، وہ قید بھی کیسی تھی۔ قیدیوں کو تو آپ کھانے کو دیتے ہیں۔ شعب ابی طالب میں تو کھانا پہنچانے کی بھی پابندی تھی۔ دامن اُحد میں نبی اکرم ﷺ کے خون کا فوارہ چھوٹا۔ یہ حجت ہے اُمت پر۔ حضور ﷺ اس کام کو کر سکتے تھے اور کوئی کانٹا بھی نہ چبھتا، اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا۔ لیکن پھر ہمارے لیے عذر ہو جاتا۔ وہ تو رسول ﷺ تھے اب ہم کیسے کریں۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے خالص انسانی جدوجہد (Human Struggle) کے ذریعے یہ انقلاب برپا کیا تا کہ ہمارے لیے کوئی مشکل نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی توفیق دے۔

(تلخیص: فرقان دانش خان)

اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والو!

محمد سمیع

جب انگلستان میں لنکن ان تعمیر کی گئی تھی تو کسی مسلمان نے اس کی تعمیر کرنے والوں کو مجبور نہیں کیا تھا کہ دنیا کے قانون سازوں میں سرفہرست ہمارے پیارے نبی ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کو لکھا جائے۔ مائکل ہارٹ کو کسی مسلمان نے گن پوائنٹ پر مجبور نہیں کیا تھا کہ وہ تاریخ انسانی کی ایک سو شخصیات میں جنھوں نے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑا ہے، رحمۃ اللعالمین ﷺ کو سرفہرست رکھے۔ وہ ایک عیسائی تھا اور اگر اس نے ایک عیسائی ہوتے ہوئے بھی ایسا کیا تھا تو اس کی وجہ بھی بیان کی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ This is because he is the only supremely successful in both the religious and the secular fields (کیونکہ یہ واحد ہستی ہیں جو مذہبی اور سیکولر دونوں میدانوں میں کامیاب ترین ہیں)۔ ایچ جی ویلز نے اپنی کتاب Concise history of the world میں نبی اکرم ﷺ سے اپنی تمام تر عداوت کے باوجود محسن انسانیت ﷺ کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا تھا، جب اس نے خطبہ حجۃ الوداع کے یہ الفاظ پڑھے کہ "لوگو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اسی طرح کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ کسی سرخ و سفید رنگت والے کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور اسی طرح کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی"، تو کیا اسے کسی مسلمان نے کلاشنکوف کے بل پر یہ اعتراف کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا کہ وہ یہ کہے کہ Although the sermons of human freedom,fraternity and find equality were said before.We a lot of sermons in Jesus of Nizareth, but it must be admitted tha it was Muhammad (peace be upon him) who for the first time in history established a society based on these principals.

(یعنی اگرچہ انسانی حریت، اخوت و مساوات کے وعظ تو پہلے بھی بہت کہے گئے۔ ہمیں مسیح ناصری کا ہاں بھی بہت مواعظ ملتے ہیں لیکن اس حقیقت کو تسلیم کیا جانا چاہئے کہ یہ محمد ﷺ تھے جنہوں نے تاریخ میں پہلی مرتبہ ان اصولوں کی بنیاد پر ایک معاشرے کی تشکیل فرمائی۔)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی عظمت کو ایک دنیا نے تسلیم کیا، یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں نے اسے تقریر و تحریر کی شکل میں منضبط کیا تو کچھ لوگوں میں اتنی اخلاقی جرأت نہ تھی کہ وہ ایسا کرتے، گو وہ بھی دل سے آپؐ کی عظمت کے قائل تھے۔ بہر حال کسی مختلف عقیدہ کی حامل شخصیت کی عظمت کو تسلیم کرنے کے لئے بڑے دل گردے اور وسعت قلبی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہر حال یہ رویہ بھی غنیمت ہے لیکن مذہبی تعصب کی بنیاد پر کسی عظیم شخصیت کے بارے میں اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرنے والوں کو دنیا کی بدترین خلائق ہی میں شامل کیا جانا چاہئے۔

> **توہین آمیز خاکے شائع کرنے والو سخت حیرت ہے کہ جس ہستی کی عظمت کو تمہارے اپنے ہم مذہب تسلیم کرتے ہیں، تم اسے داغ دار کرنے کی ناکام ونامراد کوششوں میں لگے ہوئے ہو**

خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں توہین آمیز خاکے شائع کرنے والو سخت حیرت ہے کہ جس ہستی کی عظمت کو تمہارے اپنے ہم مذہب تسلیم کرتے ہیں، تم اسے داغ دار کرنے کی ناکام ونامراد کوششوں میں لگے ہوئے ہو، پھر بھی اپنے آپ کو دنیا کی 'مہذب' قوموں میں شامل ہونے کے دعویدار ہو۔ خواہ تم اسے تسلیم کرو یا نہ کرو، میں اس کی حقیقت تمہارے سامنے بیان کئے دیتا ہوں۔

اللہ نے تمہیں اقتدار سے نوازا۔ دولت و ثروت تمہارے قدموں میں ڈھیر کردیئے۔ دنیا بھر کی ٹیکنالوجی کی صلاحیتیں تمہیں عطا کیں۔ اب تم پر کیا لازم تھا؟ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ میں اس بارے میں حوالہ اپنے پیارے نبی ﷺ کی سیرت سے تمہارے سامنے نہیں لاؤں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں آپؐ پر ایمان کی دولت سے محروم کررکھا ہے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی رسالت کو تو تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات انبیاء کرامؑ کو علم عطا کیا تو انہوں نے فرمایا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی۔ انبیاءؑ انسانیت کے گل سرسبد ہوتے ہیں اور ان کا رویہ اللہ تعالیٰ کے احسانات پر شکر کا ہوتا ہے لیکن افسوس کہ تم نے اس کی بجائے کفر کا رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ کوچ کررہے تھے۔ دریں اثناء وہ چیونٹیوں کی ایک وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور ان کے لشکر تمہیں پامال کردیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ حضرت سلیمانؑ اس کی بات مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور بولے: "اے میرے رب! مجھے قابو میں رکھ کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور میں ایسا عمل صالح کروں جو تجھے پسند آجائے اور تو اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل فرما۔" افسوس کہ تم اور تمہارے ہم مذہبوں نے مسلمانوں کو چیونٹیوں سے بھی حقیر تر جانا جبھی فلسطین، چیچنیا، بوسنیا، کشمیر، افغانستان اور عراق وغیرہ میں انہیں کچلنے کی کوششوں میں مصروف ہو جس کے نتیجے میں ان میں ردعمل پیدا ہوا جس سے تمہیں جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور تم نے بدحواسی میں ایسی حرکتیں شروع کردی ہیں جس کا کوئی صحیح الفطرت قوم تصور بھی نہیں کرسکتی۔

تمہارے اللہ کے ساتھ کفر کے رویئے کے نتیجے میں تمہارا معاشرتی نظام تباہ ہورہا ہے۔ تمہاری معیشت سود جیسی حرام شے پر چل رہی ہے جو معاشی سطح پر ظلم کی بدترین صورت ہے۔ تم نے اپنی سیاست سے دین کو بے دخل کردیا ہے۔ تمہارے ہاں جنسی بے راہ روی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اب تمہارے معاشرے ہم جنس پرستی کو قانونی شکل دے ر[illegible] ہیں۔ تمہیں تو حضرت ابراہیمؑ سے ا[illegible] تعلق پر بڑا ناز

ہے۔تم حضرت لوطؑ سے تو واقف ہی ہوگے، جو حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔ان کی قوم نے جب ہم جنس پرستی اختیار کی تو اس کا کیا حشر ہوا۔تمہیں اس سے عبرت پکڑنی چاہیے۔تم نے تو اس کی بجائے اللہ کے برگزیدہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی شروع کر رکھی ہے اور توہین قرآن کے بھی مرتکب ہو رہے ہو۔حیرت ہے کہ اس کے باوجود تم اپنے آپ کے اہل کتاب ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔

یہ درست ہے کہ آج ہم مسلمان اس لئے ذلت و رسوائی کا شکار ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے آخری کتاب ہدایت کی تعلیمات کو پس پشت ڈال رکھا ہے لیکن الحمدللہ، ہم آج بھی نہ صرف قرآن مجید بلکہ تمام انبیاءؑ پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا ذکر احترام سے کرتے ہیں۔ہمارا تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا جب تک ہم اپنے پیارے نبیؐ سمیت دیگر انبیاء کرام اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان نہ رکھیں۔یہ الگ بات ہے کہ سابقہ کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے اپنے ذمہ نہیں لی، لہٰذا اُن میں تحریف ہوگئی۔بہرحال تم لاکھ ہمارے نبیؐ کی توہین کی کوششیں کرتے رہو، ان شاء اللہ تمہاری یہ ناپاک کوششیں رائیگاں جائیں گی۔چاند پر تھوکنے والے کی تھوک چاند تک تو نہیں پہنچتی، البتہ پلٹ کر تھوکنے والے پر ضرور پڑتی ہے۔ہمارے نبیؐ کا ذکر تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے خود بلند فرمایا ہے۔جب تک کرۂ ارضی پر مسلمان موجود ہیں، ہر روز دن میں پانچ مرتبہ مساجد کے میناروں سے نبیؐ کی رسالت کی شہادت دی جاتی رہے گی۔اربوں مسلمان صبح و شام آپؐ کی خدمت میں ہدیہ درود و سلام پیش کرتے رہیں گے۔اگر ہمارے نبیؐ نے انبیاءؑ کے آپس میں تقابل کی اجازت دی ہوتی تو ہم تم سے ضرور پوچھتے کہ تم اپنے انبیاءؑ کا ذکر کتنا بلند کرتے ہو۔اگر تم نے اپنے انبیاءؑ کرام کا وہ احترام نہیں سیکھا جس کے وہ مستحق ہیں تو اس سے ان کی عظمت میں کوئی کمی تو نہیں آئے گی، البتہ تمہاری بدبختی میں ضرور اضافہ ہوگا۔یہ تمہاری اپنی محرومی ہے اور ہماری محرومی یہ ہے کہ ہم نے اپنی دینی تعلیمات کو فراموش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس شوکت و سطوت سے محروم کر دیا جس کے حامل وہ مسلمان تھے جنہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خلافت عطا کر رکھی تھی۔کاش ہمارا معاملہ ان سے مختلف نہ ہوتا تو آج بھی دنیا میں نظام خلافت قائم رہتا اور تم جیسے بدقماشوں کو اس قسم کی اوچھی حرکتوں کی جرأت نہ ہوتی جس کے آج تم مرتکب ہو رہے ہو، اور دنیا فتنہ و فساد اور ظلم و ناانصافی کی آماجگاہ نہ بنتی۔

زبان کی حفاظت

عظمیٰ سجاد

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”انسان کوئی بات کہتا ہے (اور اسے اتنا معمولی سمجھتا ہے کہ) اسے کہنے میں اِسے کوئی حرج نظر نہیں آتا حالانکہ (وہ اتنی بڑی ہوتی ہے کہ) اس کے بدلے وہ ستر برس کی راہ تک آگ میں گرتا جائے گا۔“ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے جس کے نقصان کو نہیں سمجھتا اور اس کی بنا پر دوزخ میں اس دوری سے زیادہ دور جا گرتا ہے جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہے (رواہ مسلم)

اسلم عدویؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ اپنی زبان کو کھینچ رہے تھے۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ ٹھہریے، اللہ آپؓ کی مغفرت فرمائے (یہ آپ کیا کر رہے ہیں)۔اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اس نے مجھے ہلاکت کے مقامات میں ڈالا۔ (رواہ الموطا امام مالک)

حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم پکڑے جائیں گے ان باتوں کے باعث جو ہم کرتے ہیں؟ آپؐ نے (ازراہ محبت فرمایا: اے معاذ، تیری ماں تجھے روئے، یہ لوگوں کی زبانوں سے نکلی ہوئی باتیں ہی تو ہیں جو انہیں منہ کے بل (یا ناک کے بل) دوزخ میں ڈالیں گی۔“

یہ زبانوں سے نکلی ہوئی باتیں بھی بے شمار اقسام سے تعلق رکھتی ہیں۔غیبت، چغلی، بہتان، جھوٹ، بدزبانی، بے ہودہ گوئی، عیب جوئی، نکتہ چینی، لغو پن، طعن و تشنیع، غلط ملط افواہیں پھیلانا، لوگوں کا مضحکہ اڑانا، لوگوں کو عار دلانا، لوگوں کی آبرو ریزی کرنا، خوشامد کرنا، اترانا، لعنتیں بھیجنا، میت پر نوحہ کرنا وغیرہ۔یہ سب گناہ ایسے ہیں جو زبان چلا کر ہی کیے جاتے ہیں۔ان کے علاوہ حسد، بغض، کینہ، طیش تکبر وغیرہ کئی روحانی امراض ایسے ہیں جن کا اظہار کرنے لیے زبان ہی کو استعمال کیا جاتا ہے۔اگر انسان حضور ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے۔صرف اس زبان کو شر کے کلمات سے روک لے تو اوپر دیے گئے تمام گناہوں سے بچ سکتا ہے۔

حضرت سہلؓ بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھے اس چیز کی (حفاظت کرنے کی) ضمانت دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور (اس چیز کی حفاظت کرنے کی ضمانت دے) جو اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ) تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (رواہ البخاری)

حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی جان کو، اپنے ماحول کو اور اپنے ملک و ملت کو جو جان لیوا دکھ دیتا ہے اِن میں عموماً اِن دو قسم کے گناہوں کا بہت دخل ہوتا ہے۔ایک وہ جن کا ارتکاب زبان کے بے لگام ہونے کے باعث کیا جاتا ہے اور دوسرے وہ جن کا منبع بدچلنی ہوتا ہے۔یہاں میں انتہائی ادب اور احترام سے بعض بزرگ خواتین کو زبان کے غیر محتاط استعمال کی جانب متوجہ کرنا چاہتی ہوں۔اکثر بزرگ خواتین جن میں سے بعض سے میرا بہت قریبی تعلق ہے اور بعض سے دور کا، بغیر کسی وجہ کے کسی لڑکی کو کہہ دیتی ہیں کہ تم تو بھاگ گئی یا تم تو بھگوڑی نکلیں۔اور اس بات سے اُسے شدید ذہنی تکلیف ہوتی ہے۔وہ چھوٹی بچیاں جو بڑوں سے ادب سیکھتی ہیں، اُن کے لیے بھی یہ چیزیں بدزبانی کا باعث بنتی ہیں۔وہ لامحالہ غصے میں آگے سے جواب دیتی ہیں یا غصیلی نظروں سے دیکھتی ہیں اور پھر ان بزرگ خواتین سے کتراتی ہیں کہ یہ تو زبان کے معاملے میں غیر محتاط ہیں۔اندازہ کریں کہ ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے ایک لفظ نے ہمارے لیے کیا نتیجہ پیدا کر ڈالا۔ہماری خواتین قرآن بھی پڑھتی ہیں، نماز بھی پڑھتی ہیں، اُسرہ کے اجتماع اور درس قرآن کلاسوں میں شرکت بھی کرتی ہیں اور زبان کا غیر محتاط استعمال بھی کر رہی ہوتی ہیں۔تو ذرا سوچیے! ہم کیا سے کیا کرتے چلے جا رہے ہیں۔یہ زبان ہی ہوتی ہے جو بسا اوقات دوست کو دشمن بنا دیتی ہے، خیر خواہوں کی نیتوں پر بے بنیاد حملے کر کے اِن کے احسانات سے محروم کروا دیتی ہے۔حضرت علیؓ کا فرمان ہے بہت سے الفاظ نعمتیں چھین لیتے ہیں۔ہمیں چاہیے کہ زبان کے محتاط اور درست استعمال سے بچیوں اور نوجوان لڑکیوں کو دین کی جانب لائیں۔ہماری زبان میں محبت اور چاشنی ہو تو دعوت زیادہ موثر ہوگی (ان شاء اللہ)

گولڈہ مائیر نے کہا:

"میں نے یہ استدلال اپنے دشمنوں کے نبیؐ سے لیا"

مراسلہ: ڈاکٹر مشتاق احمد

یہ 1973ء کی بات ہے۔ عربوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ چھڑنے کو تھی۔ ایسے میں ایک امریکی سینیٹر ایک اہم کام کے سلسلے میں اسرائیل آیا۔ وہ اسلحہ کمیٹی کا سربراہ تھا۔ اسے فوراً اسرائیل کی وزیراعظم "گولڈہ مائیر" کے پاس لے جایا گیا۔ گولڈہ مائیر نے ایک گھریلو عورت کی مانند سینیٹر کا استقبال کیا اور اسے اپنے کچن میں لے گئی۔ یہاں اس نے امریکی سینیٹر کو ایک چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل کے پاس کرسی پر بٹھا کر، چولہے پر چائے کے لیے پانی رکھ دیا اور خود بھی وہیں آ بیٹھی۔ اس کے ساتھ اس نے طیاروں، میزائلوں اور توپوں کا سودا شروع کر دیا۔ ابھی بھاؤ تاؤ جاری تھا کہ اسے چائے پکنے کی خوشبو آئی۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور چائے دو پیالیوں میں انڈیلی۔ ایک پیالی سینیٹر کے سامنے رکھ دی اور دوسری گیٹ پر کھڑے امریکی گارڈ کو تھما دی۔ پھر دوبارہ میز پر آ بیٹھی اور امریکی سینیٹر سے محو کلام ہو گئی۔ چند لمحوں کی گفت و شنید اور بھاؤ تاؤ کے بعد شرائط طے پا گئیں۔ اس دوران گولڈہ مائیر اٹھی، پیالیاں سمیٹیں اور انہیں دھو کر واپس سینیٹر کی طرف پلٹی اور بولی: "مجھے یہ سودا منظور ہے۔ آپ تحریری معاہدے کے لیے اپنا سیکرٹری میرے سیکرٹری کے پاس بھجوا دیجیے۔"

یاد رہے کہ اسرائیل اس وقت اقتصادی بحران کا شکار تھا، مگر گولڈہ مائیر نے کتنی "سادگی" سے اسرائیل کی تاریخ میں اسلحے کی خریداری کا اتنا بڑا سودا کر ڈالا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ خود اسرائیلی کابینہ نے اس بھاری سودے کو رد کر دیا۔ اس کا مؤقف تھا، اس خریداری کے بعد اسرائیلی قوم کو برسوں تک دن میں ایک وقت کھانے پر اکتفا کرنا پڑے گا۔

گولڈہ مائیر نے ارکان کابینہ کا مؤقف سنا اور کہا: "آپ کا خدشہ درست ہے، لیکن اگر ہم یہ جنگ جیت گئے اور ہم نے عربوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا تو تاریخ ہمیں فاتح قرار دے گی اور جب تاریخ کسی قوم کو فاتح قرار دیتی ہے، تو وہ بھول جاتی ہے کہ جنگ کے دوران فاتح قوم نے کتنے انڈے کھائے تھے اور روزانہ کتنی بار کھانا کھایا تھا۔ اس کے دسترخوان پر شہد، مکھن، جیم تھا یا نہیں اور ان کے جوتوں میں کتنے سوراخ تھے یا ان کی تلواروں کی نیام پھٹے پرانے تھے۔ فاتح صرف فاتح ہوتا ہے۔"

گولڈہ مائیر کی دلیل میں وزن تھا، لہٰذا اسرائیلی کابینہ کو اس سودے کی منظوری دینا پڑی۔ آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ گولڈہ مائیر کا اقدام درست تھا اور پھر دنیا نے دیکھا، اسی اسلحے اور جہازوں سے یہودی عربوں کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے۔ جنگ ہوئی اور عرب ایک بوڑھی عورت سے شرمناک شکست کھا گئے۔ (یہ بھی ایک عجیب حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کو بیسویں صدی میں ٹکڑوں میں تقسیم کر دینے میں، دو عورتوں کا ہاتھ رہا، یعنی عربوں کو ختم کرنے میں گولڈہ مائیر اور عجم میں مسلمانوں کو شکست دینے میں اندرا گاندھی کا)

> **تاریخ بڑی بے رحم ہوتی ہے۔ یہ بسنت، ویلنٹائن ڈے، اپریل فول، نیو ائیر نائٹ اور دیوالی جیسے تہواروں پر پانی کی طرح پیسہ بہانے کو نہیں، بلکہ فتوحات کو گنتی ہے**

جنگ کے ایک عرصہ بعد واشنگٹن پوسٹ کے نمائندے نے گولڈہ مائیر کا انٹرویو لیا اور سوال کیا: "امریکی اسلحہ خریدنے کے لیے آپ کے ذہن میں جو دلیل تھی، وہ فوراً آپ کے ذہن میں آئی تھی، یا پہلے سے حکمتِ عملی تیار کر رکھی تھی؟"

گولڈہ مائیر نے جو جواب دیا وہ چونکا دینے والا تھا۔ وہ بولی: "میں نے یہ استدلال اپنے دشمنوں (مسلمانوں) کے نبی (محمد ﷺ) سے لیا تھا، میں جب طالبہ تھی تو مذاہب کا موازنہ میرا پسندیدہ موضوع تھا۔ انہی دنوں میں نے محمد ﷺ کی سوانح حیات پڑھی۔ اس کتاب میں مصنف نے ایک جگہ لکھا تھا کہ جب محمد ﷺ کا وصال ہوا تو ان کے گھر میں اتنی رقم نہیں تھی کہ چراغ جلانے کے لیے تیل خریدا جا سکے، لہٰذا ان کی اہلیہ (حضرت عائشہ صدیقہؓ) نے ان کی زرہ بکتر رہن رکھ کر تیل خریدا، لیکن اس وقت بھی محمد ﷺ کے حجرے کی دیواروں پر نو تلواریں لٹک رہی تھیں۔ میں نے جب یہ واقعہ پڑھا تو میں نے سوچا کہ دنیا میں کتنے لوگ ہوں گے جو مسلمانوں کی پہلی ریاست کی کمزور اقتصادی حالت کے بارے میں جانتے ہوں گے لیکن مسلمان آدھی دنیا کے فاتح ہیں، یہ بات پوری دنیا جانتی ہے۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اگر مجھے اور میری قوم کو برسوں بھوکا رہنا پڑے، پختہ مکانوں کے بجائے خیموں میں زندگی بسر کرنا پڑے، تو بھی اسلحہ خریدیں گے، خود کو مضبوط ثابت کریں گے اور فاتح کا اعزاز پائیں گے۔"

گولڈہ مائیر نے اس حقیقت سے تو پردہ اٹھایا، مگر ساتھ ہی انٹرویو نگار سے درخواست کی اسے "آف دی ریکارڈ" رکھا جائے اور شائع نہ کیا جائے۔ وجہ یہ تھی، مسلمانوں کے نبی ﷺ کا نام لینے سے جہاں اس کی قوم اس کے خلاف ہو سکتی ہے، وہاں دنیا میں مسلمانوں کے مؤقف کو تقویت ملے گی۔ چنانچہ واشنگٹن پوسٹ کے نمائندے نے یہ واقعہ حذف کر دیا۔

پھر وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا، یہاں تک کہ گولڈہ مائیر انتقال کر گئی اور وہ انٹرویو نگار بھی عملی صحافت سے الگ ہو گیا۔ اس دوران ایک اور نامہ نگار، امریکہ کے بیس بڑے نامہ نگاروں کے انٹرویو لینے میں مصروف تھا۔ اس سلسلے میں وہ اسی نامہ نگار کا انٹرویو لینے لگا جس نے واشنگٹن پوسٹ کے نمائندے کی حیثیت سے گولڈہ مائیر کا انٹرویو لیا تھا۔ اس انٹرویو میں اس نے گولڈہ مائیر کا واقعہ بھی بیان کر دیا، جو سیرت نبوی ﷺ سے متعلق تھا۔ اس نے کہا کہ اب یہ واقعہ بیان کرنے میں اسے کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہو رہی ہے۔

گولڈہ مائیر کا انٹرویو کرنے والے نے مزید کہا: "میں نے اس واقعے کے بعد جب تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا، تو میں عرب بدوؤں کی جنگی حکمت عملیاں دیکھ کر حیران رہ گیا، کیونکہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ طارق بن زیاد جس نے جبرالٹر (جبل الطارق) کے راستے اسپین فتح کیا تھا، اس کی فوج کے آدھے سے زیادہ مجاہدوں کے پاس پورا لباس نہیں تھا۔ وہ بہتر گھنٹے ایک چھاگل پانی اور سوکھی روٹی کے چند ٹکڑوں پر گزارا کرتے تھے۔ یہ وہ موقع تھا، جب گولڈہ مائیر کا انٹرویو نگار قائل ہو گیا کہ

”تاریخ فتوحات گنتی ہے، دسترخوان پر پڑے انڈے، جیم اور مکھن نہیں۔“

گولڈہ مائیر کے انٹرویو نگار کا اپنا انٹرویو جب کتابی شکل میں شائع ہوا تو دنیا اس ساری داستان سے آگاہ ہوئی۔ یہ حیرت انگیز واقعہ تاریخ کے دریچوں سے جھانک جھانک کر مسلمانانِ عالم کو جھنجھوڑ رہا ہے، بیداری کا درس دے رہا ہے، ہمیں سمجھا رہا ہے کہ ادھڑی عباؤں اور پھٹے جوتوں والے گلہ بان، چودہ سو برس قبل کس طرح جہاں بان بن گئے؟ ان کی ننگی تلوار نے کس طرح چار براعظم فتح کر لیے؟

اگر پرشکوہ محلات، عالی شان باغات، زرق برق لباس، ریشم و کمخواب سے آراستہ و پیراستہ آرام گاہیں، سونے، چاندی، ہیرے اور جواہرات سے بھری تجوریاں، خوش ذائقہ کھانوں کے انبار اور کھنکھناتے سکوں کی جھنکار ہمیں بچا سکتی تو تاتاریوں کی ٹڈی دل افواج بغداد کو روندتی ہوئی معتصم باللہ کے محل تک نہ پہنچتی۔ آہ! وہ تاریخ اسلام کا کتنا عبرت ناک منظر تھا جب معتصم باللہ، آہنی زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا، چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کے سامنے کھڑا تھا۔ کھانے کا وقت آیا تو ہلاکو خان نے خود سادہ برتن میں کھانا کھایا اور خلیفہ کے سامنے سونے کی طشتریوں میں ہیرے اور جواہرات رکھ دیے۔ پھر معتصم سے کہا:

”جو سونا چاندی تم جمع کرتے تھے اسے کھاؤ!“

بغداد کا تاج دار بے چارگی و بے بسی و بے کسی کی تصویر بنا کھڑا تھا، بولا: ”میں سونا کیسے کھاؤں؟“

ہلاکو نے فوراً کہا: ”پھر تم نے یہ سونا و چاندی جمع کیوں کیا تھا؟“

وہ مسلمان جسے اس کا دین ہتھیار بنانے اور گھوڑے پالنے کی ترغیب دیتا تھا، کچھ جواب نہ دے سکا۔ ہلاکو خان نے نظریں گھما کر محل کی جالیاں اور مضبوط دروازے دیکھے اور سوال کیا:

”تم نے ان جالیوں کو پگھلا کر آہنی تیر کیوں نہ بنائے؟ تم نے یہ جواہرات جمع کرنے کے بجائے اپنے سپاہیوں کو رقم کیوں نہ دی، تاکہ وہ جانبازی اور دلیری سے میری افواج کا مقابلہ کرتے؟“

خلیفہ نے تاسف سے جواب دیا: ”اللہ کی یہی مرضی تھی۔“

ہلاکو خان نے کڑک دار لہجے میں کہا: ”پھر جو تمہارے ساتھ ہونے والا ہے، وہ بھی خدا کی مرضی ہوگی۔“

پھر ہلاکو خان نے معتصم باللہ کو مخصوص لبادے میں لپیٹ کر گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روند ڈالا، بغداد کو قبرستان بنا ڈالا۔

ہلاکو خان نے کہا: ”آج میں نے بغداد کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا ہے اور اب دنیا کی کوئی طاقت اسے پہلے والا بغداد نہیں بنا سکتی۔“

تاریخ تو فتوحات گنتی ہے۔ محل، لباس، ہیرے، جواہرات لذیذ کھانے اور زیورات نہیں۔

افسوس صد افسوس! سیرت نبوی ﷺ سے ایک یہودی عورت نے تو سبق حاصل کر لیا، مگر مسلمان اس پہلو سے ناآشنا رہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی، علوم و فنون پر دسترس رکھنے کے بجائے لاحاصل بحثوں اور غیر ضروری کام میں مگن رہے

اگر ہم ذرا سی بھی عقل و شعور سے کام لیتے تو برصغیر میں مغلیہ سلطنت کا آفتاب کبھی غروب نہ ہوتا۔ اندازہ کرو، جب یورپ کے چپے چپے پر تجربہ گاہیں اور تحقیقی مراکز قائم ہو رہے تھے، تب یہاں ایک شہنشاہ دولت کا سہارا لے کر اپنی محبت کی یاد میں تاج محل تعمیر کروا رہا تھا۔ جب مغرب میں علوم و فنون کے بم پھٹ رہے تھے، تب یہاں تان سین جیسے گویے نئے نئے راگ ایجاد کر رہے تھے۔ جب انگریزوں، فرانسیسیوں اور پرتگالیوں کے بحری بیڑے برصغیر کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے، ہمارے ارباب و اختیار شراب و کباب اور چنگ و رباب سے مدہوش پڑے تھے۔ تن آسانی، عیش کوشی اور عیش پسندی نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ ہمارا بوسیدہ اور دیمک زدہ نظام بکھر گیا، کیونکہ تاریخ کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ حکمرانوں کی تجوریاں بھری ہیں یا خالی؟ شہنشاہوں کے تاج میں ہیرے جڑے ہیں یا نہیں؟ درباروں میں خوشامدیوں، مراثیوں، طبلہ نوازوں اور وظیفہ خوار شاعروں کا جھرمٹ ہے یا نہیں؟ یاد رکھیے! تاریخ کو صرف کامیابیوں سے غرض ہوتی ہے اور تاریخ عذر قبول نہیں کرتی۔

افسوس صد افسوس! سیرت نبوی ﷺ سے ایک یہودی عورت نے تو سبق حاصل کر لیا، مگر مسلمان اس پہلو سے ناآشنا رہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی، علوم و فنون پر دسترس رکھنے کے بجائے لاحاصل بحثوں اور غیر ضروری کام میں مگن رہے۔ چنانچہ زوال ہمارا مقدر ٹھہرا۔ تاریخ بڑی بے رحم ہوتی ہے۔ یہ بسنت، ویلنٹائن ڈے، اپریل فول، نیو ایئر نائٹ اور دیوالی جیسے تہواروں پر پانی کی طرح پیسہ بہانے کو نہیں، بلکہ فتوحات کو گنتی ہے۔

(بشکریہ ”بچوں کا اسلام“)

QTV پر نشر ہونے والا

دورۂ ترجمة القرآن

بزبانِ پنجابی

مترجم: رحمت اللہ بٹر (ناظم دعوت تنظیم اسلامی)

35DVD میں، جس کی قیمت 2450 روپے ہے،

اب صرف 1200 روپے میں دستیاب ہے

یہ آفر محدود مدت کے لئے ہے، لہٰذا پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر

اپنے علاقائی تنظیمی مراکز سے رابطہ کریں

براہِ راست مرکز سے منگوانے کیلئے اپنا آرڈر بذریعہ خط، ای میل یا فیکس بھیجیں

نوٹ: تین ماہانہ اقساط میں بھی دستیاب ہے

مرکز تنظیم اسلامی

67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور۔ فون: 6316638-6366638

فیکس: 042-6271241 ای میل: markaz@tanzeem.org

پہلوی خاندان کا اقتدار

سید قاسم محمود

انگریزوں نے میرزا محمد حسن حسینی شیرازی نامی ایک عالم مجتہد کے قلم کی لکھی ہوئی روشنائی میں اسلام کی عظمت وقوت کا مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ انہوں نے اپنے ایک سطری فتوے سے اُس وقت کی عظیم ترین طاقت برٹش ایمپائر کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ فتویٰ فارسی زبان میں تھا۔ ترجمہ یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آج سے تمباکو کا استعمال چاہے، جس طرح سے بھی ہو، امام زمان سے جنگ کرنے کے حکم میں ہے"

انگریزوں کو اِس فتوے سے اندازہ ہو گیا کہ اسلامی ممالک میں بتدریج بڑھتی ہوئی بیداری اور اسلام کی طرف ان کی بازگشت انہیں ایک بڑی مشکل سے دوچار کر دے گی، ایسی مشکل کہ بوڑھے سامراج کے لیے مستقل دردِ سر بن جائے گی اور ساری دنیا پر برطانیہ کی دائمی شہنشاہت اور اوقیاس پیاجہازوں کے ناخداؤں کی مطلق العنان حکومت کا خواب برباد ہو جائے گا۔ برطانیہ جیسی مستحکم حکومت کے ذمہ داروں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایران میں مسلمانوں نے میرزا شیرازی کے فتوے کی اطلاع پا کر ہی اپنے حقے توڑ ڈالے اور ناصرالدین شاہ قاچار جس نے انگریزوں سے تمباکو کا سودا کیا تھا، نے دیکھا کہ وہ خود اپنے محل کے اندر اپنی بیوی، خادمہ اور دوسرے خادموں کے ذریعے اِس فتوے کے پابند کر دیئے گئے ہیں۔ یہ واقعہ انگریزوں کے لئے ایک بڑی شکست کے ساتھ ساتھ ایک سبق بھی تھا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ ایران میں ان کا مقابلہ دراصل اسلام سے ہے اور عوام اسلام کو بادشاہوں کے درباروں میں نہیں، بلکہ علماء کے فتوؤں میں ڈھونڈتے ہیں۔

ایک دوسرا تلخ تجربہ جو انگریزوں کو اسلام اور رُوحانیت سے ہُوا ہے، وہ آئینی حکومت (مشروطیت) کی تحریک کا تھا جو علماء ہی کے ذریعے شروع ہوگئی تھی، جس کا مقصد ملک کے اندر ہونے والے مظالم کا خاتمہ، برطانوی سامراج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا اور اسلامی حکومت قائم کرنا تھا۔ اس مرتبہ تحریک کے طویل ہو جانے کے باعث انگریزوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنے حواریوں اور ایجنٹوں، یعنی ان مغرب پرستوں اور انگریزی تہذیب کے شیدائیوں کی مدد سے تحریک کو اس کے راستے سے منحرف کر دیں، جن کو یہ بات سازگار اور موافق نہ تھی کہ ظلم واستبداد کا خاتمہ ہو کر ایک اسلامی حکومت قائم ہو اور اس طرح شیخ فضل اللہ نوری پر تہمت لگا کر عوام کو فریب دے سکے کہ وہ خود ہی آئینی حکومت کے مخالف ہیں، تا کہ تحریک کو رُوحانیت کے ہاتھ سے نکالنے کے لیے زمین ہموار ہو جائے۔

شیخ فضل اللہ نُوری آئینی تحریک (مشروطیت) کے بانیوں میں سے تھے۔ اپنی ذکاوت، ذہانت اور دُور بینی سے یہ سمجھ رہے تھے کہ برطانوی ایجنٹوں کے ذریعے تحریک کو منحرف کر دیئے جانے کا خطرہ ہے اور مغرب زدہ افراد برطانیہ کے حکم سے دستورِ اساسی کی تدوین مغربی طرزِ فکر کی بنیاد پر کرنا چاہتے ہیں اور اس پر اسلامی رنگ وروغن لگا کر اُسے اسلامی دستورِ اساسی کی حیثیت سے منوانا چاہتے ہیں۔ اسے شیخ فضل اللہ نُوری نے "ایسی حکومت کہا تھا جس کی جڑیں برطانوی سفارت خانے میں پیوست ہوں"۔ انہوں نے ایسی حکومت کی شدت سے مخالفت کی اور ایک ایسی اسلامی حکومت کا مطالبہ کیا جس کا دستورِ اساسی قرآن کی روشنی میں بنایا گیا ہو، مغربی فکر کی بنیاد پر نہیں۔ شیخ فضل اللہ نُوری کو آئینی حکومت کے اِن جھوٹے طرفداروں کے ہاتھوں تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا جو ایران میں اپنی پوری کوششوں سے سامراج کی جڑیں مضبوط بنانا چاہتے تھے۔ شیخ فضل اللہ نُوری کو شہید کر کے یہ سامراجی ایجنٹ وزارت کی کُرسیوں پر جا بیٹھے، تا کہ ایک ایسی حکومت کی حفاظت کی جا سکے جس کا نتیجہ پہلوی خاندان کے سیاہ مظالم کی صورت میں ہوا۔

اب اگرچہ اسلامی تحریک کو منحرف کر کے اپنا من پسند نظامِ حکومت ایران میں رائج کرنے میں کامیاب ہو گئے، مگر ایک بار پھر انہیں علمائے دین کی وجہ سے جو پریشانیاں پیش آئیں، اس کی وجہ سے انہیں یہ پورا احساس ہو گیا کہ ایران میں واقعی ان کا مقابلہ اسلام اور روحانیت سے ہے۔

ایک اور بڑا تلخ تجربہ جو انگریزوں کو اسلام اور علمائے اسلام سے ہُوا، 1920ء میں عراق کی اسلامی تحریک کا تھا جو اس ملک سے انگریزوں کے خاتمے کا باعث بنی۔ اس مقابلے میں بھی، جو مرزا محمد تقی شیرازی، ابوالقاسم کاشانی اور اُن کے والد آیت اللہ سید مصطفیٰ کاشانی جیسے علماء کی قیادت میں عمل میں آیا، انگریزوں نے ایک بار پھر عوام کے درمیان رُوحانیت اور علماء کے اثر ورسوخ کی طاقت کا تجربہ اور مشاہدہ کیا۔ اِس تجربے کا اعادہ 1953ء میں تیل کے قومیانے کے موقع پر ہُوا۔ اس مرتبہ بھی انگریزوں نے اپنے مقابلے پر اُسی طاقتور عالم دین کو پایا، جس نے عراق میں اُن کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اِس تحریک میں دوسری طاقتوں نے بھی سرگرمی دکھائی تھی، مگر سامراجیوں کو بخوبی معلوم تھا کہ اِس تحریک کی اصل طاقت، جس نے گلی کوچوں کو عوام سے بھر دیا تھا، اور تحریک میں جان ڈالی تھی، وہ روحانیت ہی تھی۔ اس وقت آیت اللہ ابوالقاسم کاشانی ہی تھے جنھوں نے اپنی جوانی کو جیل اور جلاوطنی کے لیے قربان کر دیا تھا۔ جو عالم جوانی سے عالم پیری تک قید خانوں کی ناقابلِ بیان سختیاں جھیلتے رہے۔ اِس بار بھی سامراجیوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ اِس تحریک کو بھی اصلی راستے سے منحرف کر کے علماء اور رُوحانیت اور اخلاقی اقدار کو اِس تحریک سے جدا کر دیں جو اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور ایک نئے سامراج یعنی ریاست ہائے متحدہ امریکا کی آمد کے لیے میدان ہموار کر دیں۔

بیسویں صدی میں جو حادثات رونما ہوئے ہیں، وہ دو لحاظ سے قابلِ غور ہیں۔ اوّل یہ کہ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ایرانی اور عراقی عوام کم از کم گزشتہ ایک صدی سے اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، اور اس جدوجہد میں علماء ہی پیش پیش رہے ہیں، اور اُنہی کے ہاتھوں میں قیادت رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ تمباکو کے مسئلے میں میرزا شیرازی نے سامراجیوں کے لیے جو مصیبت کھڑی کر دی تھی، اس کی وجہ سے وہ لوگ ہمیشہ اِس نکتے پر توجہ رکھنے لگتے تھے کہ عوام کو سامراج کے مقابلہ پر جو چیز لا سکتی ہے، وہ اسلام ہے اور وہ افراد جو اسلام کو عوام میں ترویج دیتے ہیں، اُن کو اسلام سے آشنا کرتے ہیں اور انہیں اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر حرکت میں لاتے ہیں، وہ

میرزا شیرازی، شیخ فضل اللہ نُوری، آیت اللہ کاشانی اور دوسرے حقیقت شناس علماء ہیں۔

دراصل یہی وجہ ہے کہ برطانیہ اور امریکا کے سامراجی عناصر تمباکو کے معاملے میں پہلا تلخ تجربہ حاصل کرنے کے بعد بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگتے تھے کہ کیوں نہ ایرانیوں کی تحریک احیائے اسلام کی جڑ ہی کاٹ دی جائے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ مسلمانوں کے درمیان اصولی طور پر اسلام کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے، لہٰذا کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ مسلمانوں کو باور کرایا جائے کہ انگریز اسلام کے خلاف کوئی مخاصمت نہیں رکھتے، بلکہ اسلام کے بہت بڑے حامی ہیں۔

پہلوی خاندان کا اقتدار

ایران میں اسلام کو مٹانے کی ذمہ داری رضا خان کو سونپی گئی۔ رضا خان کون تھا؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے آئیے اُس کے فرزند رضا شاہ پہلوی کی خودنوشت سے چند متعلقہ اوراق کا مطالعہ کرتے ہیں۔ رضا شاہ لکھتے ہیں:

برطانیہ اور امریکا معلوم تھا کہ وہ مسلمانوں کے درمیان اصولی طور پر اسلام کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتے، لہٰذا کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ مسلمانوں کو باور کرایا جائے کہ انگریز اسلام کے خلاف کوئی مخاصمت نہیں رکھتے، بلکہ اسلام کے بہت بڑے حامی ہیں

”1907ء میں جب رُوس اور برطانیہ میں معاہدہ طے پایا، ہمارے والد بزرگوار کی عُمر تقریباً تیس سال تھی اور اُس وقت وہ ایک ایرانی کاسک یونٹ کے کمانڈر تھے۔ وہ بہت عظیم اور قوی الجثہ آدمی تھے۔ جاگیرداروں کے پالے ہوئے غنڈوں، بدمعاشوں اور لٹیروں کے دل اُن کا نام سنتے ہی لرز اُٹھتے تھے۔ ادیبوں، صحافیوں، مصوروں، مجسمہ سازوں اور فوٹوگرافروں نے اپنے اپنے فن کے میدان میں انہیں مناسب ہدیہ عقیدت پیش کر رکھا تھا۔

پہلی جنگِ عظیم کے چھڑنے سے پہلے میکسم گن کی وجہ سے اُن کا نام ”میکسم رضا“ پڑ گیا تھا۔ اُن کا ایک ایسا فوٹو اب تک محفوظ ہے جس میں مشین گن لیے کھڑے ہیں اور خود اِس گن پر بھی گولیوں کے نشانات لگے ہیں۔ اس وقت ملک میں زیادہ سے زیادہ پانچ چھ مشین گنیں موجود تھیں۔ والد صاحب کی شہرت روز بروز پھیلتی جا رہی تھی۔ 1915ء میں جب ایران، ترکوں اور جرمنوں اور دوسری طرف روسیوں اور انگریزوں کے مابین میدان جنگ بن گیا تو اس بات سے والد صاحب کو سخت تکلیف پہنچی۔ اس پر انہیں غصہ بھی آتا تھا۔

1919ء میں معاہدہ ورسیلز کے بعد ایران محض برطانیہ کی ایک نوآبادی بن کر رہ گیا۔ البتہ شمالی صوبوں میں بالشویک انقلاب کے اثرات پہنچ چکے تھے، اور کسی بھی وقت وہاں کیموزم کی فتح کا اعلان ہو سکتا تھا۔“

”کئی بار کوششوں کے باوجود موت نے اُن کے قریب آنے سے انکار کر دیا، اور وہ برابر دلیری اور جرأت سے دشمن کے خلاف کارروائیاں کرتے رہے۔ بالشویک انقلاب کے موقع پر انہوں نے روسی افسروں کو مار مار کر ایران سے نکال باہر کیا اور ایرانی کاسکوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کاسک (قزاق) ایک تاتاری قبیلے کا نام ہے جو بحر اسود کے شمال میں آباد ہے، اور جس کے افراد اکثر روسی رسالوں میں بھرتی ہوئے ہیں۔ اب وہ ڈھائی ہزار افراد کے گھڑ سوار رسالے کے کمانڈر تھے اور مقام تھا غزوین۔ یہ مقام جنگی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا تھا اور انگریزوں کے قبضے میں تھا۔ یہ 20 اگست 1920ء کی بات ہے کہ انہیں محسوس ہوا کہ یہ اُن کے مادرِ وطن کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے اور اب فیصلے کی گھڑی آن پہنچی ہے۔“

”انہوں نے انتہائی خفیہ طریقے سے تہران کا محاصرہ کر لیا اور 23 فروری 1921ء کو اُس زمانے کے حکمران احمد شاہ کو شکست پر مجبور کر دیا۔ یہ محاصرہ اتنا کامیاب تھا کہ چند روز کے اندر اندر بغیر خون خرابے کے حکومت تبدیل ہو گئی۔ ایران میں انگریز افواج کے کمانڈر جنرل آئرن سائڈ نے بعد میں کہا: ”رضا خان واحد آدمی تھا جو ایران کو بچا سکتا تھا اور اُس نے بچا لیا۔“

”یہ وہ وقت تھا جب دنیا کی آنکھیں کمال اتاترک پر لگی ہوئی تھیں جو ترکی کو ایک جدید مملکت بنانے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔ والد صاحب (رضا خان) اتاترک کے زبردست مداح تھے اور ترکی کا وہ عظیم سیاست دان بھی والد صاحب کو دل سے پسند کرتا تھا۔ والد صاحب بھی انہی خطوط پر ایران کو ایک جدید، خوشحال اور فلاحی مملکت بنانے کے خواب دیکھتے تھے، جن خطوط پر اتاترک اپنے وطن ترکی کو ایک عظیم سلطنت بنا رہے تھے۔

کٹر قسم کے شیعہ مولوی اور بیشتر سیاست دان اور تاجر ایران کو ایک ”جمہوریہ“ بنانے کے سخت مخالف تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ ترکی کے برعکس ایران کے حالات مختلف ہیں۔ یہ ایک ایسا ملک ہے جہاں مختلف زبانیں بولنے والی مختلف نسلیں اور قومیتیں آباد ہیں۔ یاد رہے کہ اسلام میں ملائیت کی فی الحقیقت کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چونکہ لغت میں کوئی بہتر لفظ موجود نہیں ہے، اس لیے لفظ مولوی یا ملا کا مطلب ہے، قرآن کا سکالر، دینیات کا جاننے والا۔ کبھی کبھی غلطی سے مولوی کو عالمِ دین کا مترادف بھی سمجھا جانے لگتا ہے۔ عوام الناس پر ظاہر ہے کہ اِن کا اثر رسوخ بہت زیادہ ہے اور اسی اثر رسوخ کے حساب اور تناسب سے مولویوں کے درجے اور سلسلے بھی قائم ہیں۔ کوئی چھوٹا ہے تو کوئی اس سے بڑا اور کوئی اُس سے بھی بڑا۔ ملا وہ ہے جس نے قرآن مجید پڑھ رکھا ہو۔ ”حافظ“ وہ ہے جس نے کلام پاک حفظ کر رکھا ہے۔ ”آیت اللہ“ پہلے زمانے میں علماء و فضلاء کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اب یہ بلا امتیاز مخاطب کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے جناب، مسٹر، جناب والا کے کلمات۔ لفظ ”امام“ ایران میں صرف بارہ اماموں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

”ہاں تو شیعہ مولویوں، سیاست دانوں اور تاجروں کا یہ خیال تھا کہ ایران میں وحدت و سالمیت قائم کرنے کے لیے بادشاہت کی ضرورت ہے، جمہوریت کی نہیں۔ چنانچہ ان حالات میں 31 اکتوبر 1925ء کو پارلیمنٹ نے قاچار حکومت کے خلاف ووٹ دے کر قاچاریوں کی حکومت ہمیشہ کے لیے ختم کر دی۔ ایک نئی دستور ساز اسمبلی کا انتخاب ہوا، جس کے تمام ارکان نے (چار کو چھوڑ کر) اتفاق رائے سے جنرل رضا خان کو بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔

جنرل رضا خان بادشاہ بننے کے بعد رضا شاہ پہلوی کہلائے۔ ”پہلوی“ کا لفظ انہوں نے ایران کی قدیم تاریخ سے اخذ کیا۔ ساسانیوں کے عہد میں ایران کے شہنشاہوں کی سرکاری زبان بھی پہلوی کہلاتی تھی اور ان کی تحریروں اور احکام کو بھی پہلوی کہا جاتا تھا۔ تاریخ ایران کی یہ میراث یعنی لفظ ”پہلوی“ انہوں نے ہمارے حوالے کی اور ہم اپنی اولاد کو عطا کریں گے۔

”تاج پوشی کی رسم 25 اپریل 1926ء کو ادا ہوئی۔ رسم کے دوران میں ایک اعلان یہ بھی ہوا کہ ہم بادشاہ حضور کے شہزادے اور جانشین ہوں گے۔ اُس وقت ہماری عُمر صرف سات برس کی تھی۔“ (جاری ہے)

اپریل فول: ایک غیر اسلامی رسم

جھوٹ گناہ کبیرہ ہے۔ اسلام میں ایسی فضول رسومات کی کوئی گنجائش نہیں

خالد یزدانی

دنیا کے اکثر ممالک خصوصاً یورپ میں اپریل کا پہلا دن یعنی یکم اپریل فول ڈے کے نام سے منایا جاتا ہے۔ اس کو آل فولز ڈے بھی کہتے ہیں۔ اس دن کا آغاز کب اور کیسے ہوا، اس حوالے سے کوئی پختہ تاریخی شہادت سامنے نہیں، البتہ اس کے بارے میں مختلف توجیہات ہیں۔ چند توجیہات میں سے ایک یہ ہے کہ قدیم روم میں ہنسی مذاق کے حوالے سے یہ دن منایا جاتا تھا، ایک روایت عیسوی کیلنڈر کے آغاز سے بھی منسوب ہے۔ 1528ء میں گریگوری سیزدہم نے کیلنڈر میں کچھ بنیادی تبدیلیاں کروائیں اور نیا سال جو کہ یکم اپریل سے منایا جاتا تھا، اس کو یکم جنوری سے قرار دیا گیا۔ اپریل لاطینی زبان کا لفظ ہے جو موسم بہار کی آمد کے حوالے سے ہے۔ رومی یکم اپریل کے دن تقریبات کا انعقاد کرتے اور آپس میں ہنسی مذاق کرتے جبکہ انگریز اس دن کو 'بیوقوفوں کا دن' کے طور پر مناتے اور جھوٹ بولنے والے فخریہ اپنے جھوٹ کا ذکر کرتے کہ اس کے جھوٹ بولنے کے نتیجہ میں کیا ہوا۔ جھوٹی اطلاع دے کر بعد میں دوستوں کو فخریہ بتاتا کہ میں نے فون پر فلاں عزیز یا دوست کو یہ کہا جس سے وہ فوراً پریشان ہوگیا، جس پر سب قہقہہ مار کر ہنستے اور اس کے جھوٹ کی داد دیتے۔

برصغیر کی تقسیم سے پہلے جب یہاں انگریز قابض تھے، ان دنوں کے حوالے کہا جاتا ہے کہ یکم اپریل کے حوالے سے ان کی کئی داستانیں مشہور ہیں، مثلاً انگریز اس دن کو خاص طور پر مناتے تھے۔ یہ تہوار منانے کی ایک مستند روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ والی میسور ٹیپو سلطان کو شہید کرنے کے بعد اس کی فوج کے بچے ہوئے سپاہیوں کو دوسری جگہ پہنچانے کے بہانے ایک بحری جہاز میں سوار کرایا گیا اور پھر گہرے سمندر میں پھینک دیا گیا تھا۔ اگرچہ یکم اپریل کا دن اس سے پہلے بھی منایا جاتا تھا لیکن کہتے ہیں کہ انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے فوجیوں کو سمندر میں پھینکنے کے لئے اس دن کا بطور خاص انتظام کیا تھا۔ جس سے مقصود برصغیر میں مسلمانوں کی تضحیک کرنا بھی تھا، کیونکہ انگریز برصغیر میں اپنا دشمن ہندو یا سکھ کو نہیں مسلمانوں کو ہی سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے مسلمان مغل بادشاہ کے دور میں ہی ہندوستان پر قبضہ کیا تھا۔ لہٰذا وہ مسلمانوں کو ہی اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے اور انہیں ہی نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے اور جانی یا مالی نقصان پہنچا کر خوش ہوتے تھے۔ لہٰذا یکم اپریل کو میسور کی فوج کے سپاہیوں کو سمندر میں پھینکنے کا اقدام برصغیر پر قابض انگریز کر سکتا تھا۔

> سقوط غرناطہ کے وقت مسلمانوں کی ایک خاصی بڑی تعداد کو جھانسہ دے کر بحری جہازوں میں سوار کیا گیا اور ان سے وعدہ کیا گیا کہ انہیں مسلمان ملکوں میں بحفاظت بھجوایا جا رہا ہے۔ جب جہاز سمندر میں پہنچا تو ان پر حملہ کر کے انہیں ڈبو دیا گیا۔ یہ یکم اپریل کا دن تھا

اسلام ہمیں جھوٹ سے سختی سے منع کرتا ہے۔ خاتم النبیین رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"مومن کو خیانت اور جھوٹ کے علاوہ ہر وصف اور خصلت میں پیدا کیا جاتا ہے۔"

اسی طرح ایک دوسری حدیث کا مفہوم ہے کہ مومن سب کچھ کر سکتا ہے لیکن جھوٹ نہیں بول سکتا۔

ہمارے اسلاف کے نزدیک انسان تو انسان جانور کو بھی دھوکہ دینا ناپسندیدہ ہے۔ وہ واقعہ بھی یاد دہانی کے لیے عرض ہے کہ ایک محدث طویل سفر کر کے کسی صاحب کے پاس حدیث لینے کے لیے پہنچے، تو دیکھا کہ وہ صاحب اپنے گھوڑے کو قریب بلانے کے لیے اپنی خالی جھولی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ محدث وہیں سے واپس ہو لیے کہ جو شخص جانور کو دھوکہ دے سکتا ہے، اس سے حدیث لینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

اس سے مسلمانوں پر واضح ہو جاتا ہے کہ یکم اپریل ہو یا سال کے دیگر دن ہر حال میں جھوٹ بولنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ ہمارے ہاں اکثر یکم اپریل کو فون پر کسی دوست یا عزیز کو جھوٹی اطلاع دی جاتی ہے کہ تمہارا فلاں دوست یا عزیز کا سڑک پر حادثہ ہو گیا ہے، فوراً ہسپتال پہنچو۔ اس کو سنتے ہی اکثر لوگ اپنے عزیز کے لئے دیوانہ وار ہسپتال کی طرف بھاگتے ہیں اور اس میں کئی دفعہ قیمتی جانوں کا ضیاع بھی ہوتا ہے۔ یکم اپریل کے بعد اکثر اخبارات میں پڑھنے کو ملتا ہے کہ اپریل فول نے دو افراد کی جان لے لی۔ ٹیلیفون پر بیٹے کی ہلاکت کا سن کر ماں صدمے سے چل بسی۔ کسی نے اطلاع دی، تمہارے والد کو ہارٹ اٹیک ہو گیا اور بیٹا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور اس کی موت واقع ہو گئی۔

یکم اپریل کے دن عملی اور زبانی مذاق کا نشانہ بننے والے لوگ اس رسم سے تو بخوبی آگاہ ہیں کہ یہ دنیا کے بیشتر حصوں میں برصغیر پاک و ہند سے لے کر سکاٹ لینڈ تک منائی جاتی ہے، لیکن اس کے اجراء اور اسباب کے بارے میں شائد کسی کو علم نہیں ورنہ کم از کم مسلمان ممالک کے لوگ اس سے ضرور اجتناب برتیں اور اس پر عمل کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کریں۔ بعض محققین کے نزدیک یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا گیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ جب مسلمانوں کو سپین میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تو انہیں ملک سے نکالنے کے لئے قتل و غارت کی باقاعدہ مہم چلائی گئی تھی۔ بہت سوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ ایک خاصی بڑی تعداد کو جھانسہ دے کر بحری جہازوں میں سوار کیا گیا اور ان سے وعدہ کیا گیا کہ انہیں مسلمان ملکوں میں بحفاظت بھجوایا جا رہا ہے۔ ان بدقسمت مسلمانوں نے عیسائیوں کے وعدے پر یقین کر لیا۔ جب جہاز سمندر میں پہنچا تو ان پر حملہ کر کے انہیں ڈبو دیا گیا۔ یہ یکم اپریل کا دن تھا اور یہی دن ان مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ ہمیں اس دن کو منانے سے اجتناب کرنا چاہیے اور ہمیں ایسی رسموں کو عام نہیں کرنا چاہئے جن کی اسلام ہمیں اجازت نہیں دیتا ہے کیونکہ اسلام میں جھوٹ غیبت اور بدگمانیوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

کون کہتا ہے کہ یہ ہماری جنگ ہے؟

ایاز امیر

قارئین ! زیرِ نظر مضمون کے بعض مندرجات سے اگرچہ ہمیں شدید اختلاف ہے، تاہم بحیثیت مجموعی اس میں پیش کردہ خیالات بہت اہم ہیں۔ ہماری نئی حکومت کو چاہیے کہ وہ دین اور ملک وقوم کے وسیع تر مفاد کی خاطر نام نہاد دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ پر نظرِ ثانی کر کے اِس سے فی الفور علیحدگی اختیار کرے۔ (ادارہ)

یہ ہماری جنگ نہ ہے اور نہ تھی لیکن اگر ہماری نئی سیاسی قیادت اس قدر بودی ہو چلی ہے کہ وہ نام نہاد قسم کی ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' سے متعلق تمام نوع کے فرضی ومن گھڑت قصے کہانیوں کو حلق سے اتارنا چاہتی ہے اور جسے ہمارے امریکی دوست (دوست؟) زبردستی ہمارے حلق سے اتارنے کے انتہائی خواہاں بھی ہیں، تو اللہ ہی ہمارا حامی وناصر ہو۔ یہ جارج بش کی جنگ ہے اور یہ ایک ایسی جنگ ہے یا یوں کہیں وہ محاذ جنگ ہے جسے تزویراتی دنیا کے ان خبطیوں اور جنونیوں نے تشکیل دیا ہے جسے نوقدامت پسندوں کا لقب بھی عطا کیا گیا ہے۔ یہ وہ عقل کل ہیں جو دنیا کی شکل وصورت تبدیل کرنے کے درپے ہیں۔ اس کا آغاز انہوں نے مشرق وسطی سے کیا اور اپنے لوگوں، اپنے عوام یعنی امریکی عوام کو دو نہ جیتی جاسکنے والی جنگوں کا تحفہ دیا۔ ایک تو عراق کی جنگ اور ذرا انتظار فرمائیں، دوسری جنگ افغانستان کی ہے۔ افغانستان کے حوالے سے یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ یہ آسانی سے نمٹایا جاسکنے والا معاملہ ہے بلکہ امریکا تو یہ خیال کیے بیٹھا تھا کہ 2001ء میں ہی افغانستان کا قصہ پاک ہو جائے گا۔ لیکن یہاں تو حالات عراق ہی کی طرح سخت ہوتے جا رہے ہیں اور افسوس کہ طالبان ہر گزرنے والے دن کے ساتھ ختم ہونے کی بجائے بڑھتے جا رہے ہیں اور جنگ بھی سمٹنے کی بجائے دور پار کے علاقوں تک پھیلتی جا رہی ہے اور برسبیل تذکرہ کرتے چلیں کہ یہ امریکا کی جنگ بھی نہیں ہے کیونکہ امریکیوں کی ایک خاصی بڑی اکثریت جنہیں خارجہ پالیسی سے ذرا سا بھی مس ہے اور یقین رکھیں کہ ایسے امریکیوں کی تعداد لاکھوں کروڑوں میں ہے، وہ اس جنگ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ امریکی عوام کے اس حلقے کو دنیا کا نقشہ بگاڑنے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں اور یہ لوگ عراق میں بش کی مہم جوئیوں کے بھی شدید مخالف ہیں۔ اگرچہ امریکی ریڈار اسکرین پر افغانستان کی وہ موجودگی نظر نہیں آتی جو عراق کی ہے، لیکن پھر بھی افغانستان نے اپنی موجودگی ظاہر کرنی شروع کر دی ہے۔ یقیناً ڈیورنڈ لائن کے اس پار پاکستانی فوج کا سہارا ہی امریکی اور نیٹو افواج کو افغانستان

> جب تک ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ جیسی نامعقولیت سے دامن نہیں چھڑا لیتے، جو امریکی پٹھو بننے کے بعد ہمیں عطا کی گئی ہے اور اب ہماری فوج کی اجتماعی سوچ کا حصہ بن چکی ہے، اس وقت تک نہ تو پاکستان میں امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی یہاں کے لئے راوی چین لکھ سکتا ہے

میں کامل تباہی سے بچائے ہوئے ہے۔ اسی سہارے کی وجہ سے امریکی پوزیشن مضبوط ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام آباد میں تبدیلی کی ہوا نے واشنگٹن میں بیٹھے ہمارے دوستوں کو متنبہ کر دیا ہے۔ پاکستان کے حوالے سے امریکا کی پالیسی ایک ہی شخصیت کے گرد گھوم رہی تھی جو ان کا چہیتا رہا ہے یعنی جنرل پرویز مشرف۔ اور اب حالیہ انتخابات کے اختتام پر چونکہ مشرف کی پوزیشن کچھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی ہے بلکہ روز بروز ان کا اثر ونفوذ مدھم پڑتا دکھائی دے رہا ہے، سو واشنگٹن میں موجود جنگ زدہ پارٹی بھی کچھ پریشان ہو چلی ہے اور اسے یہ فکر ستائے جا رہی ہے کہ اب شاید پاکستان ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' میں امریکی احکامات کو اس جوش وجذبے سے تسلیم نہ کرے جس کی امریکا کو خو پڑ چکی ہے۔ سو اس پر ہمیں حیرت نہیں کہ امریکی ڈپٹی سیکرٹری خارجہ اور لاطینی امریکا کے حوالے سے امریکی پالیسی سے متعلق کئی سیاہ رازوں کے امین، جان نیگرو پونٹے اور پاکستان کے حوالے سے ایک جانا پہچانا چہرہ یعنی امریکی نائب وزیر خارجہ رچرڈ باؤچر نے ابھی حال ہی میں اسلام آباد کا دورہ کیا، بنیادی مقصد نئے مقتدر حلقے کی سن گن لینا تھا۔

اگرچہ کچھ اخباری سرخیاں پریشان کن محسوس ہو رہی ہوں گی مگر نیگرو پونٹے اور باؤچر کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ نیا مقتدر حلقہ بھلے ''پارلیمانی خودمختاری'' کے حوالے سے رطب اللسان ہو اور بھلے یہ اسلام آباد میں گونجی سنی جانے والی نئی اصطلاح بن چکی ہو لیکن یقین رکھیں کہیں سے بھی یہ آواز بلند نہیں ہوئی کہ پاکستان، امریکا کے ساتھ اپنے روابط توڑ رہا ہے اور اپنی پالیسی میں کوئی ڈرامائی تبدیلی لا رہا ہے۔ پاکستان اس پوزیشن میں نہیں کہ امریکی پالیسی کے حوالے سے یک بیک تبدیلی کا متحمل ہو سکے، کیونکہ امریکا کے حوالے سے معاملات اس قدر گنجلک ہیں کہ فوری قینچی استعمال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ اس معاملے میں فوج بھی ایک اہم رکن ہے۔ امریکی اتحاد کے حوالے سے ازسرِ نو سوچ نہ صرف نئی قومی اسمبلی بلکہ جنرل ہیڈ کوارٹر سے بھی آئے گی۔ کیا فوج یہ بات پسند کرے گی کہ اس پانچ سالہ امریکی فوجی امداد کے ''ایڈ'' پیکج کو ٹھکرا دے جس کی وجہ سے فوج اس قابل ہو سکی ہے کہ اسلحے کی شاپنگ کر سکے؟ کیا ہماری فوج اس سو ملین ڈالر ماہانہ آمدن کو ٹھکرا سکے گی جو اسے ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' میں خدمات انجام دینے کے صلے میں دیئے جاتے ہیں۔ آخر یہ رقم کہاں جاتی ہے؟ کیا کسی کو اس بارے میں کچھ خبر ہے؟ ایک مرتبہ آپ کو اس قسم کی ''ایڈ'' کی لت لگ جائے تو پھر مشکل سے ہی چھوٹتی ہے یہ کافر منہ سے لگی ہوئی۔ اس بہتی گنگا میں نئے نئے قسم کے مفادات جنم لینے لگتے ہیں اور کچھ اور ہی طرز تعیش وزندگی رواج پانے لگتا ہے۔ اس قسم کی لت سے پھر جان چھڑانا آسان نہیں ہوتا اور پھر اسلام آباد تو ہے ہی ڈیلروں، معاملہ سازوں اور کمیشن ایجنٹوں کا شہر، جہاں مالدار طفیلیے امریکی ڈالروں پر پل رہے ہیں۔ اگر امریکی کنکشن کو کاٹنے کی ہلکی سی بھی بات

ہوئی تو گویا بھونچال آجائے گا۔ ان کے رنگ میں بھنگ پڑ جائے گا اور یہ رنگا رنگ ہجوم نئے مقتدر حلقے کی طرف انگلیاں اٹھا کر یہ چلائے گا کہ دیکھو کتنی ''غیر ذمہ داری'' کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ یہ جنگ لڑنی اتنی آسان نہیں ہے۔ اور ہمیں یہ حقیقت بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ ہمارے ملک میں پارلیمانی خودمختاری صرف کہانی یا فکشن کی حد تک محدود ہے۔ ہم بھلے یہ سوچتے رہیں کہ پارلیمنٹ ایک خودمختار ادارہ ہے لیکن ذرا یاد تو کیجئے کہ آخری مرتبہ پارلیمنٹ نے بھلا کون سا خودمختار فیصلہ کیا تھا؟

خارجہ پالیسی کے حوالے سے ہماری تمام کی تمام مہم جوئیاں، ہمارے مختلف النوع قسم کے جہاد اور جنگیں، ان سب کے بارے میں کب پارلیمنٹ میں بحث ہوئی یا پارلیمنٹ نے اس کی منظوری دی؟ ہمیں اپنے امریکی کنکشن پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کنکشن کے نتیجے میں ہی ہماری فوج افغان سرحد پر سنتری کی ڈیوٹی انجام دے رہی ہے، اگر اس کنکشن پر از سر نو غور کرنا ہے تو پھر فوجی کمان اور اسلام آباد آنے والے نئے مقتدرین کو مل جل کر مشترکہ طور پر کوئی سبیل نکالنی ہوگی۔ (حقیقت یہ ہے کہ مقتدرین میں کوئی نیا نہیں ہے بلکہ اصل میں انہیں تو ہی منظر پر ابھرنے کا موقع بہت عرصے بعد ملا ہے کیونکہ مشرف کی پھیلائی ہوئی تباہی کی مدت خاصی طویل ہو چلی تھی، یقین مانیں کہ مشرف کے بعد اگر کوئی ری سائیکل شدہ شے بھی سامنے آئے تو وہ نئی نئی لگتی ہے۔) جب تک فوجی کمان کی از سر نو تربیت نہیں ہو جاتی، جب تک ہم تزویراتی حسن و قبح اور دہشت گردی کے خلاف جنگ جیسی نامعقولیات سے دامن نہیں چھڑا لیتے، جو امریکی پٹھو بننے کے بعد ہمیں عطا کی گئی ہیں اور اب ہماری فوج کی اجتماعی سوچ کا حصہ بن چکی ہے، اس وقت تک نہ تو پاکستان میں امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی یہاں کے لئے راوی چین لکھ سکتا ہے۔

ہاں یہ بھی سچ ہے کہ پاکستانی سوسائٹی میں ایسے عناصر اب بھی موجود ہیں جو گھڑی کی سوئی الٹی گھمانے کے خواہشمند ہیں۔ جو جذبوں کی پوری حدتوں سے اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ آگے کی طرف بڑھنے کا مطلب بائبل کے زمانے میں واپسی ہے۔ (بائبل کا ذکر ہم نے یہاں ایک اشارے کے طور پر کیا ہے، کیونکہ یہ عناصر زندگی کی بنیادی حقیقتوں کو انتہائی سادہ کر کے پیش کرتے ہیں۔) ہاں یہ سچ ہے کہ ہمارے قبائلی علاقوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا مقدس فریضہ ہے کہ وہ افغانستان میں امریکا کے خلاف طالبان کے شانہ بشانہ لڑیں۔ ہمیں ایسے عناصر کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے اور سرحد کے آر پار ان کی آمد و رفت پر پابندی لگا دینی چاہیے۔ وزیرستان خواہ شمالی ہو یا جنوبی، اسے کسی بھی صورت میں طالبان کی ایسی محفوظ پناہ گاہ کی صورت نہیں اختیار کرنی چاہیے، جہاں امریکی مزاحمتی مورچے قائم ہوں۔ لیکن یہ عرض بھی گوش گزار کرتے چلیں کہ ہمیں امریکا کو اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ ہم اپنے معاملات کس طرح نمٹائیں۔ کیونکہ امریکی مداخلت کے حوالے سے تاریخ گواہ ہے کہ ویت نام سے لے کر کمبوڈیا تک اور عراق سے لے کر افغانستان تک، جہاں جہاں بھی امریکی ٹیلنٹ کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملا ہے، وہاں اس نے ایک معمولی مسئلے کو بھی تباہی کے دہانے تک پہنچا کر دم لیا ہے۔

طالبان کو اپنی جنگ لڑنے دیں اور اسی طرح اسے امریکا کو بھی اپنی جنگ لڑنے دیں۔ خدا گواہ ہے کہ ہمارے اپنے ہی اتنے مسئلے ہیں کہ ان سے ہی نمٹ لیں تو کافی ہوگا۔

مشرف امریکا کے وفادار اتحادی تھے اور چونکہ انہوں نے امریکی احکامات پر سر تسلیم خم کیا اور اپنے امریکی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے وہ شدت جذبات میں اس قدر آگے چلے گئے کہ اپنے عوام کے جذبات کو تو وہ کسی خاطر میں ہی نہیں لائے، یوں دہشت گردی کا یہ کاروبار ختم ہونے کی بجائے کنٹرول سے باہر ہی باہر نکلتا رہا۔ اور پھر یوں بھی ہوا کہ یہ مسئلہ (یا یوں کہیں یہ وائرس) جو صرف قبائلی علاقوں تک محدود تھا، ملک کے دیگر حصوں میں بھی پھیلتا چلا گیا۔ 2001ء میں کوئی خودکش بمبار نہیں تھے اور اب تو گویا یہ ہمارے گھر کا روزمرہ کا قصہ بن کر رہ گیا ہے۔ ہماری حکمت عملی دھری کی دھری رہ گئی ہے بلکہ اگر نرم الفاظ بھی استعمال کئے جائیں تو یوں کہیں کہ اس کا الٹا اثر ہوا ہے۔ مشرف کی کرامات کے طفیل اور بش کی ریشہ دوانیوں کے صدقے پاکستان اب دہشت گردی کا مرکز قرار پا چکا ہے۔ بشمول امریکا دنیا بھر میں بش کو گھامڑ یا سادہ لفظوں میں اوسط سے بھی کچھ کم ذہانت کا حامل شخص سمجھا جاتا ہے اور اب سوچئے کہ صرف ایک شخص مشرف کی وجہ سے پاکستان اور اس کی پوری فوج اس گھامڑ کے سپرد کر دی گئی ہے۔ ہمیں امریکی جارحیت کو دعوت دینے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں امریکا سے دوستانہ تعلقات رکھنے ہوں گے لیکن ہمیں اس کا کاسہ لیس یا حاشیہ بردار بننے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمیں امریکی امداد یا حمایت کے بغیر زندہ رہنا سیکھ لینا چاہیے۔ جہاں تک امریکی امداد کا تعلق ہے تو یقین رکھیں کہ اس امداد سے فیضیاب ہونے والوں میں صرف طفیلیہ جماعت ہی ہے، پاکستانی عوام کی ایک وسیع اکثریت تو ویسے ہی صرف اللہ کے سہارے زندہ ہے۔ تو پھر ہمیں بات کرنے یا شکوہ شکایت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اگر دہشت گردی کے خلاف جنگ کی ضرورت ہے تو ہمیں یہ جنگ خود کرنی چاہیے اور اپنے طریقے سے کرنی چاہیے۔ اگر ہم اپنے معاملات میں امریکا کو ٹانگ اڑانے دیں گے تو اس کا نتیجہ ہم دیکھ اور بھگت رہے ہیں۔ معاملات بد سے بدترین ہوتے چلے جاتے ہیں۔ سو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا پہلا نکتہ تو یہ ہے کہ ہمیں امریکی پند و نصائح اور امداد سے جان چھڑانی ہوگی۔ فرنٹیئر کور کو امریکی سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت نہیں (کیونکہ کچھ تجاویز ایسی بھی سامنے آئی ہیں)۔ کیا امریکی ساز و سامان سے لیس اور امریکا کی طرف سے تشکیل کردہ نئی عراقی فوج کی حالت پہلے سے بہتر ہے؟ فرنٹیئر کور کے قصے کو تو چھوڑیں، اس سے بھی سنگین واقعہ اور حقیقت میں نامعقولیت پر مبنی امر یہ ہے کہ یو ایس ایڈ پروگرام کے تحت capacity building یعنی استعداد کار میں اضافے کے حوالے سے صوبائی اور قومی اسمبلی کے اراکین کے لئے ایک پروگرام شروع کیا جا رہا ہے۔ پروگرام کے تحت ایک capacity enhancing سینٹر قائم کیا گیا ہے (جہاں اخبارات اور کمپیوٹر وغیرہ موجود ہیں) اور وہ بھی اسلام آباد میں پارلیمنٹ لاجز کے عین درمیان میں۔ (میڈم اسپیکر آپ کی توجہ کی فوری ضرورت ہے)۔ اس سے اس امر کا ادراک کرنے میں بھی کوئی مشکل نہیں ہوگی کہ ہمارے امریکی دوست کس قدر مصروف رہے ہیں اور ان گزشتہ سات سالوں میں انہوں نے کہاں کہاں اور کس کس کونے کھدرے میں اپنے ٹھکانے بنا لئے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ ''جنگ'')

پرنٹنگ کے کام لیے ہماری
خدمات حاصل کیجئے

کسی بھی قسم کی پرنٹنگ کا کام بازار سے بارعایت
اور تسلی بخش کروانے کے لیے رابطہ کریں

ندیم اسلام
0300-4307845
0323-4008554

تنظیم اسلامی لاہور وسطی کے زیر اہتمام نصف روزہ تربیتی اجتماع

تنظیم اسلامی لاہور وسطی کے زیر اہتمام 6 مارچ 2008ء کو ایک نصف روزہ تربیتی اجتماع ہوا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا، جس کی سعادت قاری مقبول احمد نے حاصل کی۔ اس کے بعد مجیب الرحمٰن نے نعت رسول مقبول پیش کی۔ پروگرام کے دوسرے مقرر الطاف حسین نے ایمان بالرسالت پر درس دیا۔ اس کے بعد امیر حلقہ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ نے رسول اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں پر سیر حاصل گفتگو کی۔ مبارک گلزار نے حقیقت عید میلادالنبی کے موضوع پر بیان کیا۔ اگلے مقرر امجد محمود تھے۔ انہوں نے شان مصطفیٰ ﷺ پر چند اشعار پڑھے اور سیرت مصطفیٰ پر ایمان افروز گفتگو کی۔ ظفر جمال نے بھی سیرۃ النبی ﷺ کے حوالے گفتگو کی۔ نثار احمد خان نے حضرت محمد ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا، اور اس بات پر زور دیا کہ ہم سیرت محمدی ﷺ سمجھنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ پروگرام کے آخر میں نماز ظہر ادا کی گئی جس کے بعد شرکاء کو کھانا کھلایا گیا۔ اس پروگرام میں تقریباً 40 افراد نے شرکت کی۔ چند اعلانات کے بعد یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(رپورٹ: عبدالرحمٰن)

تنظیم اسلامی حلقہ گوجرانوالہ کے زیر اہتمام تربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی حلقہ گوجرانوالہ چھ اضلاع پر مشتمل ہے۔ یہاں تربیتی پروگراموں میں شرکت کے لئے رفقاء کو طویل سفر کرنا پڑتا تھا۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ رفقاء کی سہولت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دو مقامات پر علیحدہ علیحدہ تربیتی پروگرام منعقد کئے جائیں۔ چنانچہ 15 اور 16 مارچ کی درمیانی شب ضلع گجرات، منڈی بہاؤالدین اور گوجرانوالہ کے رفقاء کے لئے شب بیداری کا انعقاد کیا گیا۔ جس کے لئے رفقاء کو پہلے ہی گجرات مرکز پہنچنے کی دعوت دے دی گئی تھی۔

پروگرام کا آغاز بعد از نماز مغرب درس قرآن سے ہوا۔ جس کی ذمہ داری سرفراز احمد چیمہ کے سپرد تھی۔ انہوں نے ماہِ مبارک ربیع الاول کی مناسبت سے سورۃ الاعراف کی آیت 157 اور سورۃ الاحزاب کی آیت 45 پر گفتگو کی۔ انہوں نے ایمان کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے واقعۂ معراج اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ راقم نے دین کی طرف سے عائد ذمہ داریوں کا تذکرہ کیا۔ بعد نماز عشاء محمد حسین نے درس حدیث دیا۔ انہوں نے حسنِ اخلاق، جھوٹ سے اجتناب، امانت داری، حیا، ایفائے عہد وغیرہ پر سیرت النبی ﷺ سے مثالیں پیش کیں، اور رفقاء کو تلقین کی وہ اخلاق نبوی ﷺ کو اختیار کریں۔ رات کے کھانے کے بعد ناظم حلقہ شاہد رضا نے ''سنت پر عمل کیوں ضروری ہے؟'' کے حوالے سے مذاکرہ کرایا۔ آخری پروگرام ''ادعیہ مسنونہ وماثورہ'' اور ''ذکر وفکر آخرت'' کے حوالے سے تھا۔ جس کے بعد آرام کا وقفہ ہوا۔

اگلی صبح نماز تہجد کے لئے رفقاء کو اٹھایا گیا۔ اذانِ فجر کے بعد رفقاء کو تقویٰ اختیار کرنے اور اپنا محاسبہ خود کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔ بعد نماز فجر قاری عنایت اللہ نے درس قرآن دیا۔ انہوں نے سورۃ المائدہ کی آیات 54 تا 56 کے حوالے سے گفتگو کی اور اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف بیان کئے۔ بعدازاں رفقاء نے تلاوت قرآن کی۔ رفقاء کو ہدایت کی گئی کہ وہ تجوید سیکھنے کا اہتمام کریں۔

نماز اشراق اور ناشتہ کے وقفہ کے بعد دوسری نشست کا آغاز سیرت رسول ﷺ کے حوالے سے مذاکرہ سے ہوا۔ یہ مذاکرہ ڈاکٹر مشتاق احمد نے کنڈکٹ کیا۔ موضوع تھا: ''منہج انقلاب نبوی ﷺ''۔ بعدازاں سیرت صحابہؓ کے حوالے پر مذاکرہ ہوا۔ راقم نے تنظیمی اور دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا، جس کے بعد تین رُفقاء نے اپنے تاثرات بیان کئے کہ ہم تنظیم میں کیسے شامل ہوئے؟ اختتامی خطاب ناظم حلقہ شاہد رضا کا تھا۔ انہوں نے شرکاء کو قرآن وسنت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی تلقین کی اور راہ حق میں اپنے اور رفقاء کے لئے استقامت کی دعا کی۔ اس پروگرام میں رفقاء نے کل وقتی شرکت کی۔ بعض رفقاء اور بہت سے احباب جز وقتی طور پر شریک ہوئے۔ دن گیارہ بجے یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(مرتب: خادم حسین)

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کا ماہانہ دعوتی اجتماع

تنظیم اسلامی ایبٹ آباد کا ماہانہ دعوتی اجتماع 19 مارچ 2008ء بوقت عصر مسجد جی پی او ایبٹ آباد میں منعقد ہوا۔ بعد نماز عصر عبدالرحمان نے ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کے موضوع پر سورۃ الاعراف کی چند آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ آپؐ سے تعلق کی چار بنیادیں ہیں۔ پہلی یہ کہ آپ پر ایمان لایا جائے۔ دوسری یہ ہے، آپؐ کی توقیر و تعظیم کی جائے۔ تیسری بنیاد یہ ہے کہ آپ کی نصرت وحمایت کی جائے یعنی آپؐ کے غلبہ و اقامتِ دین کے مشن کو پورا کرنے کے لئے اپنے اوقات اور صلاحیتیں لگائی جائیں۔ چوتھی بنیاد یہ ہے کہ قرآن حکیم کی پیروی کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ آج ہماری ذلت اور پستی کی وجہ بھی یہ ہے کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور ان کے اتباع کو چھوڑ دیا ہے۔ ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم آپؐ سے تعلق کی ان چاروں بنیادوں کو مضبوط کریں۔

اس اجتماع میں 20 رفقاء اور احباب شریک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری یہ سعی و جہد اپنے دربار میں قبول ومنظور فرمائے اور اسے ہم سب کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین

(مرتب: اسد قیوم)

تنظیم اسلامی کراچی سوسائٹی کے زیر اہتمام جلسہ سیرت النبی ﷺ

12 ربیع الاول بروز جمعہ، تنظیم اسلامی کراچی سوسائٹی کے زیر اہتمام جلسہ سیرت النبی ﷺ، PIB لان PIB کالونی میں منعقد کیا گیا۔ مقامی رفقاء ساڑھے چار بجے شام PIB لان میں جمع ہوئے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر محمد الیاس سے نے رفقاء کو دعوت کی اہمیت وطریقہ کار کی مختصر یاددہانی کروائی۔ مقامی امیر تنظیم اسلامی ثاقب رفیع شیخ نے رفقاء کی 5 ٹیمیں تشکیل دیں اور انہیں مختلف علاقوں میں دعوت کے لئے روانہ کیا۔ رفقاء نے گھر گھر جا کر لوگوں کو مغرب کے بعد ہونے والے پروگرام کی دعوت دی، پمفلٹ تقسیم کئے اور ندائے خلافت اور میثاق کے پرچے تقسیم کئے۔ عصر اور مغرب کی نمازوں کے بعد مساجد کے باہر کارنر میٹنگز ہوئیں جن میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ صرف دو مساجد میں بوجوہ کارنر میٹنگز نہ ہوسکیں۔ مغرب کی نماز کے بعد جلسہ سیرت النبی ﷺ کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے ہوا۔ تلاوت کی سعادت بھائی فہد یونس نے حاصل کی۔ بعدازاں فیصل منظور نے نعت رسولِ مقبول پیش کی۔ عبدالرزاق کوڈواوی نے ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ اس جلسہ میں 25 رفقاء تنظیم، 100 احباب اور 15 خواتین نے شرکت فرمائی۔ اس موقع پر تنظیم اسلامی کراچی سوسائٹی کی جانب سے 100 عدد کتابچے ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' مفت تقسیم کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

(رپورٹ: رفیق تنظیم)

مسلمانو! متحد ہو جاؤ

آخر بدبخت گیرٹ وائلڈر نے نام نہاد آزادی رائے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انٹرنیٹ پر اپنی ناپاک فلم جاری کر ہی دی۔ وہ فلم نہیں لغویات کا ملغوبہ اور گیرٹ کے ذہنی فساد کا پرتو ہے۔ یہ شخص یقیناً ایسی گھٹیا حرکت کے ذریعے عالمی شہرت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ شہرت اُسے مل تو گئی لیکن موت بھی مسلسل اس کے تعاقب میں مصروف ہے۔ اب وہ ساری زندگی خفیہ طریقے سے بسر کرے گا۔ آخر گیرٹ نے جو گھناؤنا اقدام کیا ہے، اس کی کچھ قیمت تو اُسے چکانی پڑے گی۔

اُدھر ملائیشیا کے سابق وزیراعظم مہاتیر محمد نے اسلامی حکومتوں پر زور دیا ہے کہ وہ مل کر ڈینش مصنوعات کا بائیکاٹ کر ڈالیں۔ ان کا کہنا ہے ”اگر دنیا کے 1.3 ارب مسلمان متحد ہو کر یہ بائیکاٹ کریں، تو ڈنمارک کو عقل آ جائے گی۔“ اس بائیکاٹ سے ڈر کر ڈنمارک کے تاجر و کاروباری گیرٹ وائلڈر پر ازالہ عرضی کا مقدمہ کرنے پر غور کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈنمارک میں کاروباریوں اور تاجروں کی انجمن VNO-NCW کے سربراہ نے اپنے بیان میں کہا ہے: ”مجھے نہیں معلوم کہ وائلڈرز امیر ہے یا اس کی انشورنس ہوئی ہے۔ تاہم ڈینش مصنوعات کا بائیکاٹ ہوا، تو ہم ایسے طریقے جانتے ہیں کہ اُسے اپنی ذمہ داری کا احساس دلا سکیں۔ اگر بائیکاٹ ہوا، تو وہ یقیناً ڈینش معیشت کو متاثر کرے گا۔“

فلم کو دنیا بھر میں شدید تنقید کا نشانہ بننا پڑا۔ اب تو غیر جانب دار عیسائی رہنما بھی کہہ رہے ہیں کہ آزادی رائے کی حدود ہونی چاہیے۔ یہ حق اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی بھی جب مرضی اٹھے اور دوسرے مذاہب اور ان کی مقدس ہستیوں کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔ دنیا بھر میں ہونے والے احتجاج کے بعد انٹرنیٹ سے یہ فلم ہٹا دی گئی ہے۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ صلیبی اور صیہونی انتہا پسندوں کو آئندہ ایسے گھناؤنے اقدامات سے کیسے باز رکھا جائے۔ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار — لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

ای یو ہمیں تسلیم کر لے گی

پچھلے دنوں یورپ کی نئی مسلم مملکت کے وزیراعظم ہاشم تقی نے یورپی یونین کے وزرائے خارجہ سے ملاقاتیں کیں۔ بعد ازاں انہوں نے کہا ”مجھے یقین ہے کہ جلد ہی یورپی یونین کے تمام ارکان کوسوو کو تسلیم کر لیں گے۔ ہم نے اپنی آزادی بڑی جدوجہد سے حاصل کی ہے تاہم ہم نے تشدد نہیں امن کا راستہ اپنایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ 11 مئی کے انتخابات کے بعد سربیا بھی ہمیں قبول کر لے گا۔“

یاد رہے، اب تک یورپی یونین کے 27 ارکان میں سے 18 کوسوو کو تسلیم کر چکے ہیں۔ ہاشم تقی کا کہنا ہے کہ اسپین، پرتگال، اومانیہ، سلواکیہ اور یونان کے وزرائے خارجہ نے انہیں یقین دلایا ہے کہ عنقریب وہ بھی اس نئی مملکت کو تسلیم کر لیں گے۔

مقبوضہ کشمیر: ایک ہزار قبریں دریافت

مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی ایک تنظیم ایسوسی ایشن آف پیرنٹس آف ڈس اپیرڈ پیپل کے کارکنوں نے اڑی کے نزدیکی علاقے میں ایک ہزار نامعلوم افراد کی قبریں دریافت کر لی ہیں۔ تنظیم کا کہنا ہے کہ ان افراد میں وہ کشمیری بھی شامل ہیں جو بھارتی فوجیوں کے ظلم و بربریت کا نشانہ بن گئے۔ یہ تنظیم ان لوگوں نے بنائی ہے جن کے قریبی عزیز رشتے دار تحریک آزادی کشمیر کے دوران گمشدہ ہو چکے ہیں۔

حقوق انسانی کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں جدوجہد آزادی کے آغاز سے اب تک دس ہزار کشمیری گم ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بیشتر بھارتی فوج کے ہتھے چڑھ گئے۔ تاہم بھارتی فوج ان کی بابت اظہار لاعلمی کرتی چلی آ رہی ہے۔

سرکوزی کو تنقید کا سامنا

پچھلے دنوں فرانسیسی صدر نکولاس سرکوزی نے برطانوی پارلیمان میں تقریر کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ وہ افغانستان میں مزید فوج بھجوانے کو تیار ہیں۔ اس پر انہیں فرانسیسی حزب اختلاف کی طرف سے شدید تنقید کا سامنا ہے۔ واضح رہے افغانستان میں 1500 فرانسیسی فوجی طالبان مجاہدین کے خلاف صلیبی دستے کا حصہ ہیں۔

2007ء کے صدارتی انتخابات میں شکست کھانے والی سوشلسٹ امیدوار سیگولین رائل نے صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا: ”مجھے اس بات پر حیرت بلکہ صدمہ ہے کہ نکولاس سرکوزی برطانوی پارلیمان میں جا کر افغانستان فوج بھیجنے کی باتیں کر رہے ہیں مگر اس بابت فرانسیسی پارلیمنٹ میں ذرہ بھر بحث و مباحثہ نہیں ہوا۔ ابھی ہمیں یہ خبر نہیں کہ افغانستان میں ہمارے فوجیوں کو کس قسم کے خطرات لاحق ہوں گے اور پھر انہیں محفوظ کرنے کے لیے کس قسم کے اقدامات کیے گئے ہیں۔ اسی لیے میں فرانسیسی فوجیوں کو افغانستان بھجوانے کے حق میں نہیں۔“ حزب اختلاف کے دیگر رہنماؤں کا بھی کہنا ہے کہ افغانستان مزید فوج بھجوانا ایک فاش غلطی ہوگی۔

افغانستان میں عرب فوج کی موجودگی کا انکشاف

افغانستان میں امریکی فوجیوں کے ساتھ عرب فوجی بھی خطرناک فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ان کی موجودگی کو تا حال اس قدر خفیہ رکھا جا رہا ہے کہ خود ان کے ملک کے لوگوں کو بھی نہیں معلوم کہ ان کے ملک کے فوجی افغانستان میں فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ایک نشریاتی ادارے کی رپورٹ کے مطابق ان فوجیوں میں اردن کے فوجی ہیں جو زیادہ تر مختلف اڈوں پر فرائض انجام دے رہے ہیں لیکن ان کے برخلاف یو اے ای کے فوجی مکمل طور پر فوجی کارروائیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ صلیبی دستے کا حصہ بن کر اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف لڑنا، کہاں کی مسلمانی ہے۔ مسلم حکمرانوں کی غیرت دینی کو کیا ہو گیا ہے۔

پاک افغان سرحد پر امریکی انٹیلی جنس سنٹر کا قیام

پاکستان، افغانستان اور امریکی افواج نے پاک افغان بارڈر کے قریب انٹیلی جنس سنٹر قائم کیا ہے، جس کا مقصد مبینہ طور پر علاقے میں بڑھتی ہوئی ”دہشت گردی“ روکنے کے لئے رابطے کو مؤثر بنانا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکی افواج نے بڑھتی ہوئی ”دہشت گردی“ کے پیش نظر پاک افغان بارڈر پر پاکستان اور افغانستان کے ساتھ مل کر ایک انٹیلی جنس سنٹر قائم کیا ہے، جس میں تینوں ممالک کی انٹیلی جنس فورسز مشترکہ طور پر کام کریں گی۔ سنٹر میں 20 اہلکار تعینات کیے جائیں گے جو مشترکہ طور پر امریکی انٹیلی جنس رپورٹر کا کام کریں گے۔ یہ اہلکار امریکی جاسوس طیاروں کی مدد سے لئے گئے براہ راست ویڈیوز کا مشاہدہ کریں گے جس سے ”دہشت گردی“ کے ممکنہ حملوں کو روکنے میں مدد ملے گی۔ افغانستان میں متعین امریکی فوج کے میجر جنرل ڈیوڈ روڈایگز نے کہا کہ سنٹر کی افتتاحی تقریب میں تینوں ممالک سے تقریباً 100 اعلیٰ فوجی اہلکاروں نے شرکت کی۔ سنٹر کے قیام سے افغانستان اور پاکستان کے درمیان تعاون اور اطلاعات کی فراہمی میں بہتری ہوگی۔

ہم اپنے حکمرانوں پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جس نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہم نے امریکہ کے ساتھ تعاون کی پالیسی اپنائی، اور اپنے بے گناہ لوگوں کو مرواتے رہے، اس نے پاکستان کو تباہی کے دہانے لا کھڑا کیا ہے۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم ہوش کے ناخن لیں، اسلام دشمن، مسلم کش، اور ملک کے لئے تباہ کن پالیسی کو تبدیل کر دیں۔ اگر انٹیلی جنس تعاون کا سلسلہ مزید بڑھتا رہا، تو امن و امان کی صورتحال مزید خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار